سیرتِ انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اصلاح و تربیت

Rectification and Training of the Family in the Light of the Seerah of Prophets (AS)

(مقالہ برائے ایم فل، علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

تسنیم فاطمہ

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 33-Mphil/IS/F22

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

مارچ ۲۰۲۵ء

سیرتِ انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اصلاح و تربیت

(مقالہ برائے ایم فل، علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

تسنیم فاطمہ

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر: 33-Mphil/IS/F22

نگران مقالہ

ڈاکٹر امجد حیات

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت نمل اسلام آباد

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۲۲-۲۰۲۵ء

© تسنیم فاطمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **سیرتِ انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اصلاح وتربیت**

Rectification and Training of the Family in the Light of the Seerah of Prophets (AS)

Seerat e Anbiya ki Roshni Main Khandan ki Islah o Tarbiyat

نام ڈگری: **ایم فل علوم اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: **تسنیم فاطمہ**

رجسٹریشن نمبر: 33-Mphil/IS/F22

ڈاکٹر امجد حیات ____________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید ____________________

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں: تسنیم فاطمہ بنت: محمد ریاض

رول نمبر:MP-1S-F22-320 رجسٹریشن نمبر:33-Mphil/IS/F22

طالبہ ،ایم فل، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **سیرتِ انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اصلاح و تربیت**

Rectification and Training of the Family in the Light of the Seerah of Prophets (AS)

Seerat e Anbiya ki Roshni Main Khandan ki Islah o Tarbiyat

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر امجد حیات کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: تسنیم فاطمہ

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract:

Allah sent many Prophets for the guidance of people. For every nation there was a prophet according to the need of time. Some of them are mentioned in the Qur'an while others are not. Every Prophet guided his nation to the straight path and tried to bring them to the right path in different ways. Some people used to accept this invitation while some refused and even made fun of it. The methodology of Da'wah that every Prophet followed was that they started from their own family and close friends. Prophet Muhammad ﷺ also gave the message of Islam first to his wife Khadija رضی اللہ عنہا.

In this thesis it is discussed that what were the teachings of the Prophets regarding to their family. Which methodology was adopted by them when they conveyed the message of Islam to their family? How they reformed their beliefs? How they dealt with the family matters? How they reformed their way of worship what was their methodology? All these questions are answered in the light of Quranic verses. The research method is analytical. The verses of the Quran that are related to the Prophetic teachings of Islam to their family are found and then those verses are explained in the light of such tafaseer which have been written on the basis of Da'wah.

The study came up with many results and one of the most important result is that the Prophets not only ordered their family to act upon the teachings of Islam but also they became a role model for them so that their way of living became an example for their families.

This research suggests that there is a need to study about the seerah of the companions of Prophet ﷺ that what was their way of conveying the message of Allah to their families and how they went through severe hardships while dealing with their families.

Keywords: Da'wah, Family, Rectification, training, Methodology, Prophets, Teachings.

ملخص:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے بہت سے انبیاء بھیجے۔ وقت کی ضرورت کے مطابق ہر قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے نبی کو بھیجا۔ ان انبیاء میں سے کچھ کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے جبکہ باقی انبیاء کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں کیا گیا۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کی اور اس کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اختیار کیے۔ نبی کی دعوت پر مختلف لوگوں کا مختلف رویہ سامنے آتا تھا، کچھ لوگ اسے قبول کر لیتے تھے جبکہ کچھ لوگ انکار کر دیتے تھے یہاں تک کہ کچھ لوگ نبی کا مذاق بھی اڑایا کرتے تھے۔ دعوتِ دین میں ہر نبی کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے خاندان اور قریبی دوست احباب کو سیدھے رستے کی طرف رہنمائی دینا شروع کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔

اس مقالہ میں یہ بات زیرِ بحث لائی گئی ہے کہ خاندان کی اصلاح و تربیت اور انہیں سیدھے رستے کی رہنمائی دینے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کیا تھیں۔ مزید یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کو اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے کیا طرزِ عمل اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے خاندان کے عقائد کی اصلاح کیسے کی؟ خانگی امور کو درست کرنے میں ان کا طرزِ عمل کیا تھا؟ انہوں نے اپنے خاندان کی عبادات کی اصلاح کیسے کی؟ ان سب سوالات کے جوابات قرآنی آیات اور تفاسیر کی روشنی میں دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی وہ آیات تلاش کی گئی ہیں جو خاندان کی اصلاح سے متعلق ہیں اور پھر ان آیات کو ایسی تفاسیر کی مدد سے واضح کیا گیا ہے جو دعوتِ دین کے منہج پر لکھی گئی ہیں۔

اس ریسرچ سے جو سب سے اہم نتیجہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کو صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ انہیں اپنے عمل سے بھی ثابت کر کے دکھایا اور اپنے خاندان کے لیے ایک رول ماڈل ثابت ہوئے۔ ان کا طرزِ زندگی ان کے خاندان والوں کے لیے ایک مثال بن گیا۔

اس ریسرچ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کو بھی پڑھنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے اپنے خاندان والوں کی اصلاح کیسے کی اور اس میں انہیں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

کلیدی الفاظ: دعوۃ، خاندان، اصلاح، تربیت، منہج، اسلوب، انبیاء، تعلیمات

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
.1	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis acceptance form)	iv
.2	حلف نامہ(Declaration)	v
.3	ملخص (Abstract)	vi
.4	فہرست عنوانات(Table of contents)	viii
.5	اظہارِ تشکر(Acknowledgments)	X
.6	انتساب(Dedication)	Xi
.7	**باب اول: موضوع سے متعلقہ تعارفی مباحث**	1
.8	فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت	2
.9	فصل دوم: موضوع سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ، جوازِ تحقیق، بیانِ مسئلہ	5
.10	فصل سوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق، منہج تحقیق	11
.11	**باب دوم: خاندان کی اصلاح میں انبیاء کا اسلوب و منہج**	13
.12	فصل اول: قرآن میں مذکور انبیاء اور ان کے خاندان کا تعارفی مطالعہ	14
.13	فصل دوم: خاندان کی اصلاح میں انبیاء کا طریقہ کار	58
.14	**باب سوم: افرادِ خاندان کی فکری اور اخلاقی اصلاح میں انبیاء کی سنت**	72
.15	فصل اول: فکری اصلاح میں انبیاء علیہم السلام کی اپنے خاندان کو تعلیمات	73
.16	فصل دوم: فکر وعقیدہ کے انسانی زندگی پر اثرات	85
.17	فصل سوم: اخلاقی اصلاح میں انبیاء علیہم السلام کی اپنے خاندان کو تعلیمات	95
.18	**باب چہارم: افرادِ خاندان کی عملی زندگی سنوارنے میں انبیاء کی سیرت**	108
.19	فصل اول: عبادات کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات	109
.20	فصل دوم: خانگی امور کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات	115
.21	فصل سوم: خاندان کی عملی زندگی کی اصلاح میں سیرتِ انبیاء سے عصری استفادہ	122

129	خلاصہ بحث	.22
134	نتائجِ بحث	.23
136	سفارشات	.24
137	فہرست قرآنی آیات	.25
141	فہرست احادیث	.26
143	فہرست اصطلاحات	.27
144	فہرست اعلام	.28
146	فہرست مصادر و مراجع	.29

اظہارِ تشکر(Acknowledgments)

الحمد لله رب العالمین و الصلوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله و صحبه اجمعین - اما بعد!

میں سب سے پہلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ جس کی دی ہوئی صلاحیتوں اور مدد سے میں اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکی۔

میں شکر گزار ہوں اپنے نہایت شفیق استاد ڈاکٹر امجد حیات (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) کی کہ ان کی بروقت رہنمائی کی بدولت یہ مقالہ تکمیل تک پہنچا۔ میں ممنون ہوں پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد سعید صاحب (صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) اور شعبہ اسلامی فکر و ثقافت کے تمام اساتذہ کی جنھوں نے اس مقالہ کی تکمیل میں میری رہنمائی فرمائی۔

میرے گھر کے تمام افراد کا شکریہ جن کے مالی تعاون اور دعاؤں کے ذریعہ سے میرے لیے ایم فل ڈگری کا حصول ممکن ہو سکا۔

آخر میں ان تمام لائبریریوں کے عملہ کا شکریہ جنھوں نے کتب تک رسائی میں میری مدد کی اور وہ تمام احباب جنھوں نے دورانِ تحقیق میرے ساتھ کسی بھی طرح تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

تسنیم فاطمہ

ایم فل سکالر

انتساب(Dedication)

میں اپنی اس تحقیقی کاوش کو اپنے والدین کے نام کرتی ہوں
جن کی دعاؤں کی بدولت میں اس کام کو مکمل کر سکی۔

باب اول

موضوع سے متعلقہ تعارفی مباحث

فصل اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت

فصل دوم: موضوع سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ، جوازِ تحقیق، بیانِ مسئلہ

فصل سوم: مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق، منہج تحقیق

فصل اول

موضوع تحقیق کا تعارف اور ضرورت واہمیت

موضوع تحقیق کا تعارف (Introduction to the topic)

دنیا کے معرضِ وجود میں آنے اور انسان کو اس دنیا میں بھیجنے کے بعد اس کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانے کے لیے مختلف ادوار میں انبیاء بھیجے گئے۔ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو بھیجا جو اللہ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو سیدھے راستے کی دعوت دیتے تھے۔ قرآن مجید میں تمام انبیاء کا تذکرہ نہیں کیا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾[1]

''اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے۔''

وہ انبیاء جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ان کے نام امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ* نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

آدم وإدريس، ونوح، وهود، وصالح، وإبراهيم، ولوط، وإسماعيل، وإسحاق، ويعقوب، ويوسف، وأيوب، وشعيب، وموسى، وهارون، ويونس، وداود، وسليمان، وإلياس، واليسع، وزكريا، ويحيى، وعيسى [عليهم الصلاة والسلام] وكذا ذو الكفل عند كثير من المفسرين، وسيدهم محمد صلى الله وعليه وسلم[2]

تمام انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا کہ وہ اپنی قوم کو توحید کی طرف بلائیں اور وہ قوم جن برائیوں میں مبتلا ہوتی تھی نبی ان کی اصلاح کرتے تھے۔ ہر نبی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ دعوتِ دین کا آغاز اپنے خاندان اور قریبی لوگوں سے کرتے تھے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو خبردار کریں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] النساء: 164

*امام ابن کثیر 700 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر تھا یہ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ 706 ہجری میں اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ انہوں نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ امام ابن کثیر کو علم حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور عربیت میں بھی کمال حاصل تھا۔ امام ابن کثیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد تھے۔ ان کی خدمت میں رہ کر انہوں نے جو علمی دینی اور اخلاقی تربیت حاصل کی اس نے نہ صرف انہیں علم و فضل میں ایک امتیازی حیثیت بخشی بلکہ اس سے دوسروں نے بھی بہت استفادہ حاصل کیا۔ وہ اپنی رائے میں استحکام اور استقلال رکھتے تھے وہی کچھ فرماتے تھے جن کا ثبوت اور دلائل صحیح رکھتے تھے۔ نہ اپنے مذہب اور عقائد میں متعصب تھے اور نہ اس سلسلے میں دوسروں سے تعصب رکھتے تھے۔ (http://www.mawsoah.net)

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدين ، **تفسير القرآن العظيم**، دار طيبة للنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية 1420 ھ، ج:2، ص:469

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ﴾ [1]

''اور (اے پیغمبر) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل اس طرح فرمائی کہ آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اپنے خاندان والوں کو خبردار کیا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ جب انسان کو علمِ دین کی نعمت ملے تو وہ اس علم کو مزید لوگوں تک بھی پہنچانا چاہتا ہے کیونکہ اس کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اگر لوگ اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق نہیں گزاریں گے تو ان کا کیا انجام ہو گا۔ اس سلسلے میں انسان کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے خاندان سے شروعات کرے، کیونکہ جب تک انسان کو دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے مکمل ماحول میسر نہیں ہو گا وہ خود بھی زیادہ دیر تک باعمل نہیں رہ سکے گا۔ اور جب وہ خود باعمل نہ رہ سکے تو اس کے لیے دوسروں کو دعوت دینا بھی مشکل ہو جائے گا۔

خاندان کو دعوتِ دین دینے کے لیے سب سے بہترین طریقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔ مقالہ ہذا میں اسی موضوع کو زیرِ بحث لایا گیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جب اپنے خاندان کو دین کی دعوت دیتے تھے تو ان کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا۔ قرآن کریم میں جن انبیاء کا تذکرہ موجود ہے انہوں نے اپنے خاندان کی فکری اصلاح سے متعلق کیا تعلیمات دیں نیز خاندان کی عملی زندگی کو سنوارنے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی کیا تعلیمات ہیں۔ خاندان کی اصلاح و تربیت کے لیے انبیائے کرام نے کون سا اسلوب اختیار کیا۔

ضرورت واہمیت (Significance of the study)

موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے جب تبلیغ کا آغاز کیا تو سب سے پہلے اپنے خاندان کو سیدھے راستے کی دعوت دی۔ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی طرف سب سے پہلے توجہ دی۔ عصرِ حاضر میں تربیت و اصلاح کے حوالے سے عائلی زندگی میں کافی بگاڑ آچکا ہے۔ عمومی طور پر جو رویہ سامنے آرہا ہے وہ یہ کہ دنیاوی تعلیم و ترقی سے متعلق تو کافی فکرمند نظر آتے ہیں لیکن گھروں میں دینی تربیت اور دینی ماحول قائم کرنے پر توجہ نہیں دی جارہی۔ چونکہ ہم فتنوں کے دور میں رہ رہے ہیں اور آنے والا دور مزید فتنوں کا ہے اور معاصر معاشرے بالخصوص پاکستانی معاشرے میں خاندان کی اصلاح و تربیت میں کافی تساہل پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے سماجی خرابیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے خاندان کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دیں اور انہیں فتنوں کا شکار ہونے سے بچائیں۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر موضوع کو منتخب کیا گیا ہے جس میں قرآنِ کریم کی ان آیات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنے اہل و عیال کی اصلاح سے متعلق ہیں۔ تفاسیر کی

---

[1] الشعراء :214

روشنی میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انبیاء نے جب اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی تو انہوں نے کیسا اسلوب اختیار کیا اور کون کون سی جہات کو مدِ نظر رکھا مثلاً عقائد، عبادات، خانگی امور، آپس کے تعلقات وغیرہ۔

فصل دوم

موضوع سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ، جوازِ تحقیق، بیانِ مسئلہ

دراسات سابقہ:(Literature review)

مقالہ جات:

i. **اولوالعزم انبیاء کے اسالیب دعوت**، کوثر شجاعت، مقالہ برائے ایم فل، جامعہ نمل، ۲۰۱۸

اس مقالہ میں اولوالعزم انبیاء کے اسالیب دعوت کو تدبر قرآن اور تفہیم القرآن کی روشنی میں زیر بحث لایا گیا ہے لیکن ان انبیاء کا اپنے خاندان کو دعوت دینے کا کیا اسلوب تھا اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

ii. **تربیتِ اولاد قرآن وسنت کی روشنی میں**، نادیہ منظور، مقالہ برائے ایم اے، نمل یونیورسٹی، ۲۰۰۷

اس مقالہ میں اولاد کی تربیت کے عمومی اصول بیان کیے گئے ہیں قرآنی آیات اور انبیاء کے واقعات سے استدلال نہیں کیا گیا۔

iii. **قرآن مجید کا تصور اصلاح اور عصر حاضر میں اس کی معنویت (تفسیری مطالعہ)**، احسان اللہ شوکت، مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۷

اس مقالہ میں خاندان کی اصلاح کو ایک مبحث میں مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اسلام میں خاندانی نظام کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور بیوی بچوں کی اصلاح پر چند احادیث بیان کی گئی ہیں۔

iv. **انبیاء علیہم السلام کے اولاد سے مکالمات: درس و مواعظ قرآن کریم کی روشنی میں**، پروین اختر، مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۶

اس مقالہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اولاد سے مکالمہ کرتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسالیب و مناہج کیا ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد قرآن کریم میں جن مکالمات کا ذکر موجود ہے ان کو بیان کیا ہے اور اس میں والدین اور داعی دین کے لیے کون سی نصیحتیں ہیں ان کو بیان کیا ہے۔

v. **العلاقات الأسرية في بعض بيوت الأنبياء عليهم الصلاة والسلام من خلال القرآن الكريم**،سيد الشيخ خالد، الماجستير ،الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة،۱۴۳۳ھ

یہ مقالہ انبیاء علیہم السلام کے گھروں میں خاندانی تعلقات سے متعلق ہے۔ خاندانی تعلقات کی وضاحت کی گئی ہے اور مسلم خاندان کے تعلقات کے بارے میں قرآن کریم کے نقطہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

کتب:

i. **دعوت الی اللہ اور انبیاء کرام کا طریق کار**، محمد سرور بن نالیف زین العابدین، س ن

مصنف نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے کہ دعوت دینے میں انبیاء کرام نے کون کون سے طریقے اختیار کیے اور ایک داعی کے لیے ان میں کیا اسباق ہیں البتہ خاندان کو دعوتِ دین سے متعلق نکات کو ذکر نہیں کیا گیا۔

ii. **پیغمبرانہ منھاجِ دعوت**، ڈاکٹر خالد علوی، مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۵

مصنف نے اس کتاب میں قرآن کریم میں مذکور انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہر پیغمبر سے متعلق جو تفصیل ہے اس کو آیات کی روشنی میں بیان کیا۔ ان کے دعوتی اسلوب کو بیان کیا۔ ہر پیغمبر کے واقعہ سے ایک داعی کے لیے کون سے اسباق ہیں ان کو بیان کیا لیکن اہل و عیال کو دعوتِ دین پر بحث نہیں کی۔

iii. **تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب**، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۲۰۱۱

اس کتاب میں مصنف نے ابراہیمؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور نبی ﷺ کی زندگی سے مثالیں دے کر دعوتِ دین کے اسلوب کو بیان کیا ہے۔ ابراہیمؑ کا اپنے والد کو شفقت سے مخاطب کر کے توحید کی دعوت دینے کا ذکر کیا ہے اور اس کی اہمیت پر بات کی ہے اسی ذیل میں نبی ﷺ کی زندگی سے بھی مثال دی کہ کس طرح وہ اپنے چچا ابو طالب کو شفقت سے مخاطب کرتے تھے۔ لیکن دیگر انبیاء کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں کیا گیا اور اہل و عیال کو دعوتِ دین سے متعلق بھی صرف ابراہیمؑ کی مثال دی گئی ہے۔

iv. **نبی ﷺ بحیثیت والد**، ڈاکٹر فضل الٰہی، دار النور اسلام آباد، 2010

یہ کتاب اس بارے میں بتاتی ہے کہ نبی ﷺ کا اپنی اولاد، داماد اور نواسوں کے ساتھ کیسا تعلق تھا۔ اولاد کی دینی تعلیم کے سلسلے میں روایات پیش کی گئی ہیں کہ نبی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنھا کو صبح شام کی دعائیں پڑھنے کی تلقین کی، انہیں غلام کے بدلے تسبیحاتِ فاطمہ پڑھنے کو کہا، حسنؓ کو دعائے قنوت سکھائی۔ پھر بیٹیوں کی شادی کے بعد بھی انکی عائلی زندگی کے مسائل میں نبی ﷺ اصلاح کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے علیؓ اور فاطمہؓ کو تہجد پڑھنے کی ترغیب دلائی، فاطمہؓ کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ نبی ﷺ اپنی اولاد کا احتساب بھی کرتے تھے اور ان کو دعائیں بھی سکھاتے تھے۔ داماد کے لیے دعائیں بھی کرتے تھے اور ان کو بھی دعائیں سکھاتے تھے۔

v. **والدین کا احتساب**، ڈاکٹر فضل الٰہی، مکتبہ قدوسیہ، س ن

مصنف نے والدین کے احتساب کی شرعی حیثیت بیان کی ہے اور احتسابِ اقارب کے دلائل پیش کیے ہیں۔ زیادہ استدلال ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے کیے ہیں۔ ابراہیمؑ کا اپنے والد کا احتساب کرنا، نبی ﷺ کا اپنے چچاؤں کا احتساب کرنا اور اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم کا اپنے والد کا احتساب کرنے والی روایات کو ذکر کیا ہے۔ مصنف

نے ابراہیمؑ کے تذکرہ میں چند تفاسیر سے بھی اقوال پیش کیے ہیں جیسے تفسیر الطبری، تفسیر الکبیر، تفسیر القاسمی، تفسیر البحر المحیط۔ اس کے علاوہ مصنف نے والدین کے احتساب میں ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھنے اور سخت روی کے ناجائز ہونے پر بھی علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔

vi. **حضرت ابراہیمؑ حیات، دعوت اور عالمی اثرات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ۲۰۰۹**

اس کتاب میں دعوتی پہلو کے لحاظ سے کتاب میں صرف اس بات کا تذکرہ ہے کہ ابراہیمؑ نے دعوت کا آغاز اپنے والد سے کیا اور ان کے ترش رویہ کے باوجود ابراہیمؑ نے انتہائی محبت اور اپنائیت سے انہیں حق کی دعوت دی۔ والد کے بعد قوم کو دعوت دی۔

vii. **الهدي النبوي في تربية الأولاد في ضوء الكتاب والسنة**، سعيد بن علي بن وهف القحطاني، مطبعة سفير، الرياض، س ن

اس کتاب میں اولاد کی تربیت کے حوالے سے نبوی طریقے پر بات کی گئی ہے۔ اولاد کی تربیت کے اصول بیان کیے گئے ہیں مثلاً اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرنا، ان کے ساتھ نرمی والا رویہ اختیار کرنا، اولاد کی اچھی تربیت کے لیے نیک عورت سے شادی کرنا، اولاد کی بلوغت کے بعد انہیں باقاعدہ وقت دینا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر چند انبیاء اور صالحین کا تذکرہ بھی کتاب میں موجود ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کے کتنے حریص ہوا کرتے تھے۔

viii. **أصول التربية الإسلامية وأساليبها في البيت والمدرسة والمجتمع**، عبد الرحمن النحلاوي، دار الفكر، 1428ھ

اس کتاب میں تربیت کا معنی و مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ اصول بیان کیے گئے ہیں جس کے ذریعہ سے گھر، سکول اور معاشرے میں لوگوں کی تربیت کی جاسکتی ہے۔ مثلاً نصیحت کرکے، مثالیں بیان کرکے، ترغیب و ترہیب کے ذریعہ سے لوگوں کی تربیت کی جاسکتی ہے۔

ix. **مواقف النبي ﷺ في الدعوة إلى الله تعالىٰ**، سعيد بن علي بن وهف القحطاني، مطبعة سفير، الرياض، س ن

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے اور بعد میں کس کس طرح لوگوں کو دین کی دعوت دی۔ قریبی لوگوں سے آغاز کیا، خفیہ تبلیغ کی، پھر عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد اعلانیہ تبلیغ کا آغاز کیا۔ لوگوں کی فرداً فرداً بھی اصلاح کی۔

x. **بچوں کی تربیت قرآن وسنت کی روشنی میں**، محمد ھود، دار الاندلس، ۲۰۰۳

اس کتاب میں عام طور پر بچوں کی تربیت کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ ولادت کے بعد غیر شرعی رسومات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس بات کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ سکولز اور کالجز میں بچوں کی کیسی تربیت کی جارہی ہے۔ انبیاء کے طریقہ کار میں سے صرف ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کی تربیت کے حوالے سے تذکرہ موجود ہے جبکہ صالحین میں سے لقمان علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی کس طرح تربیت کی۔

xi. **الامة الوسط والمنهج النبوى فى الدعوة الى الله**، عبد الله بن عبد المحسن بن عبد الرحمٰن، 1418 ھ

اس کتاب میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ امتِ وسط ہونے کی حیثیت سے اس امت کا کام لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے اور اس کام کے لیے بہترین طریقہ وہی ہے جو نبی ﷺ کا طریقہ تھا۔ دعوتِ دین کے تین اسلوب بیان کیے: حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بطریق احسن۔

xii. **اساليب الدعوة الى الله فى القرآن الكريم**، ابو المجد سيد نوفل، مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، س ن

اس کتاب میں مصنف نے قرآن کے ان اسالیب کو بیان کیا ہے جس سے عقیدہ توحید کو پختہ کیا گیا ہے۔

آرٹیکلز:

i. **تربیت اطفال میں محبت کے پہلو: تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تحقیقی مطالعہ**، ڈاکٹر سجاد احمد، ۲۰۱۸

اس آرٹیکل میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ہم کس طرح پیار اور محبت کے ساتھ بچوں کی دینی تربیت کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو بیان کیا گیا ہے۔

ii. **قرآن کا اسلوبِ دعوت اور معاشرے پر اس کے اثرات**، حافظہ ماریہ حسن، ۲۰۱۹

اس آرٹیکل میں قرآن کے منہج دعوت کے تین نکات کو بیان کیا گیا ہے (عمل سے دعوت، اخلاص اور حبِ انسانیت)۔ اس کے بعد اسلوبِ دعوت کو بیان کیا گیا ہے (حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بطریق احسن)

iii. **اہلِ خانہ کی تربیت اور تقاضے**، پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی، ۲۰۲۱

اس آرٹیکل میں یہ بیان کیا گیا کہ اہلِ خانہ کی تربیت کس کس پہلو سے کی جائے لیکن اس میں اسلوب بیان نہیں کیا گیا نیز آیات واحادیث سے استدلال بھی انتہائی کم مقدار میں ہے۔

iv. **عصرِ حاضر میں تربیت کی راہ میں حائل رکاوٹیں: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل، تحریم سعید،ڈاکٹر محمد حسیب، س ن**

بچوں کی تربیت میں والدین کون سے مسائل کا سامنا کر رہے ہیں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان رکاوٹوں کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے اس چیز کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے بچوں کی تربیت میں کون سی باتوں کو مدِ نظر رکھا اس کو بیان نہیں کیا گیا۔

v. **كيف نربى ابناءنا تربية صالحة، حسن رقيط، س ن**

اس آرٹیکل میں ایک کامیاب مربی کی صفات کو بیان کیا گیا، اولاد کی تربیت میں نبی ﷺ کی زندگی سے چند مثالیں دی گئی ہیں (حسن و حسینؓ کو اٹھانے کے لیے منبر سے اٹھ جانا، بیٹیوں کی اچھی تربیت سے متعلق احادیث)۔ اولاد کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ اولاد کی تادیب کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں مثلاً بچپن میں سب سے پہلے انہیں کلمہ سکھانا اور بڑے ہونے پر کلمہ کا مطلب سمجھانا، بچوں کو اللہ اور رسول سے محبت کا سبق سکھانا، قول اور فعل کی سچائی کا سبق دینا، عقیدہ درست کرنا، جنسِ مخالف کی مشابہت سے بچانا، بچوں کو اجتماعی آداب سکھانا جیسے سلام کرنے کے آداب اور کھانے پینے کے آداب وغیرہ۔

vi. **عناية الرسل عليهم الصلاة والسلام بأولادهم في ضوء القرآن الكريم،حمزة عبد الله شواهنة، مجلة جامعة الشارقة، المجلد: ١٩، العدد: ١، ٢٠٢٢ ء**

اس آرٹیکل میں انبیائے کرام علیہم السلام کی اپنی اولاد کے لیے نگہداشت اور فکر مندی کو قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

English articles:

i. **Practical Dawah methodology in modern context, Dr. Hj Su'aidi**

اس آرٹیکل میں یہ بتایا گیا ہے کہ عصرِ حاضر میں دعوتِ دین دینے والوں کو کیسا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے مثلاً اجتماعی شکل میں کام کرنا چاہیے ایک گروپ کی صورت میں مل کر کام کرنا چاہیے، جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرنا چاہیے، مختلف سیمینار اور ورکشاپس کا اہتمام وغیرہ۔

ii. **Da'wah in the early era of Islam: A review of the Prophet's Da'wah Strategies, Saad Jaffar,2021**

اس آرٹیکل میں سیرت النبی ﷺ سے مختلف مثالیں دے کر بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے دین کی دعوت کے لیے کون سے طریقے استعمال کیے مثلاً خاندان والوں کو دعوت پر بلایا، صفا پہاڑی پر اپنے خاندان کے تمام لوگوں کو خبردار کیا،

لوگوں کی ذہنی استطاعت کے مطابق ان سے بات کرتے تھے، تدریج کے ساتھ لوگوں کو سیدھے راستے پر لاتے تھے وغیرہ۔

iii. **Methodology of Prophetic dawah and its relevance to contemporary global society, Fatmir Shehu, journal of education and social sciences, Vol 6, 2017**

اس آرٹیکل میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ دعوت پر بحث کی گئی ہے نیز عصرِ حاضر میں اس طریقہ سے کیسے استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے اس کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

جوازِ تحقیق (Rationale of the study)

دراساتِ سابقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ دین سے متعلق بہت سی کتابیں اور مقالہ جات لکھے گئے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کے دعوتی طریقوں کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے لیکن اہل و عیال کی اصلاح اور ان کو دعوتِ دین کے حوالے سے انبیاء کرام کے منہج و اسلوب پر کام نہیں کیا گیا خصوصاً قرآن کریم کی روشنی میں انبیاء کے دعوتی منہج کو منظرِ عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک داعی دین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اہل و عیال کی اصلاح کرے۔ جب دعوتِ دین کا آغاز اپنے گھر سے ہوگا تو اس کے لیے گھر سے باہر تبلیغ کا کام کرنے کے لیے بھی قوت ملے گی۔

بیانِ مسئلہ (Statement of the problem)

زیر نظر مقالہ میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی اصلاح و تربیت میں کیسا اسلوب و منہج اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے خاندان کی فکری اصلاح کیسے کی اور عملی زندگی کے اعتبار سے انہوں نے اپنے خاندان کو کیا تعلیمات دیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے اسلوب کی روشنی میں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے اپنے خاندان کی اصلاح و تربیت کرنا آسان ہو جائے گا اور انہیں ایک طریقہ کار واضح ہو جائے گا کہ انہوں نے خاندان کی اصلاح و تربیت میں کون سے پہلوؤں کو مدِ نظر رکھنا ہے اور کن باتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

فصل سوم

مقاصدِ تحقیق، سوالاتِ تحقیق، منہج تحقیق

مقاصدِ تحقیق(Objectives of the study)

i. قرآن میں مذکور انبیاء کا خاندان کی اصلاح و تربیت کے لیے اسلوب کا مطالعہ کرنا۔

ii. خاندان کی فکری اور اخلاقی اصلاح و تربیت سے متعلق قرآن میں مذکور انبیاء کی تعلیمات کو تلاش کرنا۔

iii. قرآن میں ذکر کردہ انبیاء کی سیرت کی روشنی میں اصلاحِ خاندان کی عصری تطبیق کرنا۔

سوالاتِ تحقیق(Research questions)

i. خاندان کی اصلاح و تربیت میں انبیاء کا اسلوب و منہج کیا تھا؟

ii. انبیاء نے اپنے خاندان کی فکری و اخلاقی اصلاح میں کون سی جہات کو اختیار کیا؟

iii. عصرِ حاضر میں خاندان کی عملی زندگی کی تربیت کے لیے سیرتِ انبیاء سے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جاسکتا ہے؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع (Delimitations of the study)

مقالہ ہذا میں صرف ان انبیاء کرام کے اسلوب اور تعلیمات کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

منہج تحقیق(Research methodology)

۱۔ مقالہ ہذا کے معیاری پیراڈائم(Qualitative paradigm) میں رہتے ہوئے تجزیاتی منہج تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ بنیادی مصدر قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جو خاندان کی اصلاح سے متعلق ہیں ان کو تلاش کیا گیا ہے اور پھر ان کی وضاحت ایسی تفاسیر کی روشنی میں کی گئی ہے جو دعوتی و اصلاحی منہج پر لکھی گئی ہیں مثلاً تفسیر الطبری، احکام القرآن للجصاص، تفہیم القرآن از مولانا مودودیؒ، بیان القرآن از ڈاکٹر اسرار احمد، تیسیر القرآن از مولانا عبد الرحمان کیلانی، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع۔

۳۔ ثانوی مصادر میں سیرت اور تاریخ کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے مثلاً تاریخ از ابنِ خلدون، السیرۃ النبویہ از ابنِ ھشام، تاریخ الرسل والملوک از ابنِ جریر الطبری، قصص الانبیاء از ابنِ کثیر۔

۴۔ انٹرنیٹ اور آن لائن لائبریریز سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے مثلاً مکتبہ شاملہ، مکتبہ وقفیہ، کتاب وسنت لائبریری، محدث لائبریری۔

۵۔ مقالہ کی تحریر و تسوید اور حوالہ جات کے لیے نمل کے منظور شدہ فارمیٹ کو اختیار کیا گیا ہے جبکہ حوالہ جات کے لیے شکاگو مینول سٹائل کو اختیار کیا گیا ہے۔

باب دوم

خاندان کی اصلاح میں انبیاء کا اسلوب و منہج

فصل اول: قرآن میں مذکور انبیاء اور ان کے خاندان کا تعارفی مطالعہ

فصل دوم: خاندان کی اصلاح میں انبیاء کا طریقہ کار

فصل اول

قرآن میں مذکور انبیاء اور ان کے خاندان کا تعارفی مطالعہ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا گیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُوْلٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾[1]

''اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، سو جب ان کا وہ رسول آچکتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔''

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ۲۵ انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے آٹھ انبیاء ایسے ہیں جن کا ذکر خاندان کی تربیت و اصلاح سے متعلق قرآن میں موجود ہے۔ زیر بحث فصل میں انہی انبیاء کا شخصی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ تعارف کو مختصراً پیش کیا جائے گا جس میں انبیاء کا نام و نسب، ان کی پیدائش، انہیں کس علاقہ میں مبعوث کیا گیا، قرآن و سنت میں ان کے کیا فضائل بیان ہوئے ہیں، ان مذکورہ موضوعات کو اس فصل میں زیر بحث لایا جائے گا۔ اس کے علاوہ ان انبیاء کے خاندان کا تعارف بھی کروایا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام

پیدائش اور نام و نسب:

حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ ''نُوحُ بْنُ لَامَكَ بْنِ مَتُّوشَلَخَ بْنِ خَنُوخَ، وَهُوَ إِدْرِيسُ بْنُ يَرْدَ بْنِ مَهْلَاَئِيلَ بْنِ قَيْنَنَ بْنِ أَنُوشَ بْنِ شِيثَ بْنِ آدَمَ أَبِي الْبَشَرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ'' ہے۔[2]

---

[1] یونس :47

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **البدایة والنهایة**، الناشر: دار هجر، طبع: الاولی، 1418 ھ، ج:1، ص: 237

نوح علیہ السلام کی پیدائش کب ہوئی ؟امام طبرانی رحمہ اللہ * نے اس حوالے سے اپنی کتاب میں ایک روایت ذکر کی ہے:عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَلَّامٍ، حَدَّثَنِي أَبُو أُمَامَةَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: ((يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَبِيًّا كَانَ آدَمُ؟ قَالَ: «نَعَمْ» . قَالَ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ نُوحٍ، وَإِبْرَاهِيمَ؟ قَالَ:عَشَرَةُ قُرُونٍ)) [1]

ابوامامہ رضی اللہ عنہ * سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آدم علیہ السلام نبی تھے ؟آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔اس نے کہا: آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟آپ ﷺ نے فرمایا: دس قرن۔

آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی وقفے سے متعلق امام حاکمؒ* نے ایک قول نقل کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ((كَانَ بَيْنَ نُوحٍ وَآدَمَ عَشَرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْحَقِّ، فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ))[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے درمیان دس زمانے ہیں اور سب کے سب حق پر تھے۔پھر ان میں اختلافات شروع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والے،ڈر سنانے والے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔

قرن سے مراد اگر ایک صدی ہو تو آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت ہے اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام زمانوں میں لوگ اسلام پر قائم تھے۔اگر قرن سے مراد نسل لیا جائے، جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں قرن کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً

---

*امام طبرانی کا نام سلیمان بن احمد بن ایوب تھا ان کی کنیت ابو القاسم تھی۔ان کا شمار مشہور محدثین میں ہوتا ہے۔فلسطین میں ان کی پیدائش ہوئی۔انہوں نے حدیث کی سماعت 273 ہجری سے شروع کی۔علم کے حصول کے لیے ان کا مختلف شہروں میں سفر رہا جس میں بغداد کوفہ بصرہ مدائن شام حجاز مصر یمن اور اصبہان وغیرہ شامل ہیں۔امام طبرانی نے ایک ہزار سے زائد محدثین سے علم حاصل کیا اور ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ان کی عمر 110 سال تھی اور اصفہان میں ان کی وفات ہوئی۔(الذهبي،شمس الدين،**تذكرة الحفاظ**،دارالكتب العلمية بيروت لبنان،الطبعة الأولى، 1419ھ، ج:3، ص:85)

[1] طبرانی، سلیمان بن احمد، **معجم الكبير**، مكتبة ابن تيمية، قاهرة، طبعة الثانى، ج:8، ص:118، ح:7545- صححه الباني انظر سلسلة الاحاديث الصحيحة، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع،رياض، طبع: الاولى، 1416 ھ، ج:6، ص: 358، ح: 2668

*ابوامامہ رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ہے جبکہ ان کا اصل نام صدی بن عجلان ہے۔حمص کے رہنے والے تھے۔ان کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی۔ان کی وفات عبد الملک بن مروان کے دور میں ۶۱ سال کی عمر میں ہوئی۔(دیکھیے محمد بن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، مکتبہ الخانجی، القاھرۃ، الطبعہ: الاولی، 1421ھ، ج:9، ص:415،الرقم:4557)۔

* امام حاکم کا نام محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ تھا۔ان کی پیدائش ۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیسابور میں ہوئی۔ان کی سب سے مشہور کتاب مستدرک علی الصحیحین ہے۔ بیس سال کی عمر میں انہوں نے عراق کی طرف سفر کیا۔اس کے بعد حج کی ادائیگی کی۔حج کرنے کے بعد خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ کے مختلف شہروں میں تقریباً دو ہزار سے زیادہ شیوخ سے استفادہ کیا۔ان کی وفات صفر 405ھ میں ہوئی۔(الذهبي، شمس الدين، **سير أعلام النبلاء**، مؤسسة الرسالة، الطبعة : الثالثة ، 1405 ھ،ج:17، ص:163)

[2] حاكم، محمد بن عبد الله نيسابورى، **المستدرك على الصحيحين**، دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى، 1411 ھ، كتاب: تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، باب ذكر نوح النبى،ج: 2، ص: 596، ح: 4009 قال امام حاكم هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه- ووافقه الذهبي

﴿ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا ءَاخَرِينَ﴾[1]

"پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کی۔"

آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیانی وقفے سے متعلق امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فقد كان الجيل قبل نوح يعمرون الدهور الطويلة فعلى هذا يكون بين آدم و نوح ألوف من السنين- وبالجملة فنوح عليه السلام إنما بعثه الله تعالىٰ لما عبدت الأصنام والطواغيت و شرع الناس في الضلالة والكفر فبعثه الله رحمة للعباد فكان أول رسول بعث إلى أهل الأرض"[2]

نوح علیہ السلام سے پہلے ایک ایک نسل کے لوگ صدیوں تک زندہ رہتے تھے تو اس طرح آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کا درمیانی فاصلہ ہزاروں سالوں تک پہنچتا ہے۔ بہر حال نوح علیہ السلام کو اس وقت مبعوث کیا گیا جب لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے اور اسلام کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چل پڑے تھے۔ سب سے پہلے رسول جو زمین میں مبعوث ہوئے وہ نوح علیہ السلام تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے فضائل:

ا۔ نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر گزار بندہ کہا ہے۔

نوح علیہ السلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ جس بھی حال میں ہوتے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُۥ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾[3]

"وہ (نوح علیہ السلام) ہمارا بہت شکر گزار بندہ تھا۔"

نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے ۹۵۰ سال بہت سی تکالیف دیں، ان کی دعوت کو ٹھکرایا اور ان کا مذاق اڑایا لیکن اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہے اور دعوتِ دین کا کام جاری رکھا۔

۲۔ قیامت والے دن لوگ ان سے درخواست کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کیجیے۔

شفاعتِ کبریٰ سے متعلق ایک طویل روایت آتی ہے کہ انسانیت قیامت کے دن مختلف انبیاء علیہم السلام سے سفارش کی درخواست کریں گے۔ آدم علیہ السلام ان کو انکار کر کے نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن أبي هريرة، قال في حديث طويل وفيه: ((اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ: يَا نُوحُ، أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرْضِ، وَسَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ؟

---

[1] المؤمنون:31

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبیاء**، دار الطباعة و النشر الاسلامية، الطبعة الخامسة، 1417 ھ، ص 84

[3] الاسراء:3

أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي، نَفْسِي نَفْسِي))[1]

"آدم علیہ السلام لوگوں کو نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔ لوگ نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے: اے نوح! آپ کو سب سے پہلے رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ اللہ کی شکر گزاری بھی کرتے تھے۔ آپ اپنے رب سے ہماری سفارش فرمائیں، آپ دیکھیں کہ ہم کتنی تکلیف میں ہیں اور کتنی بڑی مصیبت میں ہیں۔ وہ انہیں کہیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اتنے غصے میں ہیں کہ نہ تو اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا اور نہ بعد میں کبھی ہوگا۔ سچ یہ ہے کہ میرے لیے ایک ہی دعا خاص کی گئی تھی اور وہ بھی میں نے اپنی قوم کے خلاف مانگ لی تھی۔ مجھے تو اپنی جان کی فکر لگی ہوئی ہے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت والے دن نوح علیہ السلام کے پاس لوگ جائیں گے کہ ہماری سفارش کریں لیکن نوح علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ عالم ہوگا کہ وہ لوگوں کو دوسرے نبی کے پاس بھیج دیں گے اور خود سفارش سے انکار کر دیں گے۔

۳۔ نوح علیہ السلام کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے۔

تمام انبیاء نے دین کی سربلندی کی خاطر تکالیف اور مصائب کا سامنا کیا لیکن ان میں سے پانچ انبیاء ایسے ہیں جنہیں اولوالعزم میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: ((سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ خَمْسَةٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَمْسَةِ: نُوحٌ وَإِبْرَاهِيمُ وَمُوسَى وَعِيسَى وَمُحَمَّدٌ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ))[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "انبیاء کے سردار پانچ ہیں اور محمد ﷺ ان پانچوں کے سردار ہیں۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ۔"

یعنی یہ وہ انبیاء ہیں جنہوں نے دین کی خاطر زیادہ تکالیف برداشت کیں لیکن دعوتِ دین کا کام نہیں چھوڑا۔

۴۔ نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کا لقب بھی دیا گیا ہے۔

کیونکہ جب نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا اور وہ قوم اس میں غرق ہوگئی تو اس کے بعد انسانوں کی نسل نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے چلی۔[3]

[1] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحیح**، دار احیاء الکتب العربیة، القاهرة، کتاب الایمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ج:1، ص:184، ح:194

[2] حاکم، محمد بن عبد الله نیسابوری، **المستدرك على الصحيحين**، کتاب: تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، باب ذكر نوح النبي، ج: 2، ص: 595، ح:4007 قال امام حاکم هذا حديث صحيح الإسناد، [التعليق – من تلخيص الذهبي]4007 – صحيح

[3] ابنِ خلدون، عبدالرحمان، **دیوان المبتدأ والخبر في تاریخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأکبر**، دار الفکر، طبع ثانی، 1408ھ، ج:2، ص:-6-7

۵۔نوح علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کی بددعا سے ان کی پوری قوم ہلاک ہو گئی تھی۔

سورۃ نوح میں ذکر آتا ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے لوگوں کو توحید کی طرف راغب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرلی اور قوم پھر بھی باز نہ آئی، تو آخر کار نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾[1]

''اور نوحؑ نے کہا کہ اے میرے رب! تو زمین پر کسی بھی کافر کو نہ رہنے دے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور پوری قوم کو ہلاک کر دیا۔ یہ وہ چند فضائل ہیں جن کا ذکر قرآن و حدیث میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے تھے۔ آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور آپ کا شمار اولوالعزم پیغمبروں میں ہوتا ہے۔

نوح علیہ السلام کی بیوی:

قرآن مجید میں نوح علیہ السلام کی بیوی کا تذکرہ آتا ہے کہ وہ ان پر ایمان نہیں لائی بلکہ اس نے اپنی قوم کا ساتھ دیا۔ان کی بیوی کا نام والغہ بتایا جاتا ہے۔

"والغة" زوجة نوح عليه السلام. ولغت عن الإيمان في الكفر واستغرقت. و خانت دعوة زوجها و خالفت فكانت مثلا للكافرين فأغرقت في الطوفان ثم أدخلت نار الجحيم[2]

نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والغۃ تھا۔اس نے ایمان کی جگہ کفر کو ترجیح دی اور اپنے شوہر کی دعوتِ دین سے خیانت کرتے ہوئے اس نے کفار کا ساتھ دیا اور نوح علیہ السلام کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی کفار کی طرح ہو گئی اور انہی کے ساتھ اس کا انجام ہوا۔ وہ بھی قوم کے ساتھ غرق ہوئی۔

نوح علیہ السلام کی بیوی سے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلاً لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱمْرَأَتَ نُوحٍ وَٱمْرَأَتَ لُوطٍۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَٰلِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا وَقِيلَ ٱدْخُلَا ٱلنَّارَ مَعَ ٱلدَّٰخِلِينَ﴾[3]

''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال دی ہے۔یہ دونوں نیک اور فرمانبردار بندوں کے گھروں میں تھیں، لیکن انہوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی۔ نتیجے میں، نہ تو نوح علیہ السلام اور نہ ہی لوط علیہ السلام ان سے اللہ کے عذاب کو روک سکے، اور اللہ کا حکم آگیا کہ تم دونوں بھی دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ جاؤ۔''

---

[1] نوح:26

[2] قطب، محمد علی، **زوجات الانبياء و امهات المومنين**، الدار الثقافية، الطبعة الاولى، 1425 هـ، ص:21

[3] التحريم:10

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک نبی کی زوجیت میں ہوتے ہوئے بھی انسان سیدھے راستے سے محروم ہو سکتا ہے اور نجات کے لیے کسی نیک شخص سے محض تعلق ہونا شرط نہیں ہے بلکہ انسان کا خود سیدھے رستے پر ہونا اور نیک کام کرنا اس کے لیے باعثِ نجات ہو گا۔

نوح علیہ السلام کی کشتی اور طوفان کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا کیونکہ اب اس قوم پر عذاب آنے کا وقت تھا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے زمین میں ایک درخت لگایا تاکہ جب وہ بڑا ہو تو اس کی لکڑی سے کشتی بنائی جا سکے۔ تقریباً سو سال میں وہ درخت تیار ہوا۔ پھر انہوں نے اس کی لکڑی چیر کر کشتی کے لیے تختے بنائے۔ کشتی کی لمبائی اور چوڑائی سے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ اس میں سے جو رائے متفقہ ہے وہ امام ابنِ کثیر نے بیان کی ہے:

”کان ارتفاعها ثلاثين ذراعا، و كانت ثلاث طبقات كل واحدة عشرة أذرع، فالسفلى للدواب والوحوش، والوسطى للناس، والعليا للطيور. وكان بابها في عرضها ولها غطاء من فوقها مطبق عليها“ [1]

اس کی بلندی تیس ہاتھ تھی اور تین منزلیں تھیں۔ ہر منزل کے درمیان فاصلہ دس ہاتھ تھا۔ سب سے نچلی منزل چوپایوں اور جنگلی جانوروں کے لیے تھی۔ درمیانی منزل انسانوں کے لیے اور اوپر والی منزل پرندوں کے لیے تھی۔ اس کا دروازہ چوڑائی کی جانب تھا جسے ایک تختے کے ذریعہ اوپر سے بند کر دیا گیا۔

اس کشتی میں سوار ہونے والوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابنِ کثیر نے بیان کیا ہے:

”عن ابن عباس: كانوا ثمانين نفسا معهم نساؤهم، و عن كعب الاحبار: كانوا اثنين و سبعين نفسا، و قيل كانوا عشرة، و قيل كانوا سبعة“[2]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے عورتوں سمیت ۸۰ افراد بتائے ہیں۔ حضرت کعب الاحبار کے مطابق ۷۲ افراد تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱۰ افراد تھے۔ علاوہ ازیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ۷ افراد تھے۔

بہر حال جب طوفان آیا تو اس طوفان کی کیفیت کو امام ابنِ کثیر نے مفسرین کی آراء کی روشنی میں بیان کیا ہے:

---

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبیاء**، ص:102

[2] ایضاً، ص:104

''ارتفع الماء على أعلى جبل في الأرض خمسة عشر ذراعا و هو الذي عند أهل الكتاب، و قيل: ثمانين ذراعا، و عم جميع الأرض طولها و عرضها، سهلها و حزنها، و جبالها و قفارها و رمالها، و لم يبق على وجه الارض ممن كان بها من الأحياء عين تطرف، ولا صغير و لا كبير''[1]

پانی زمین پر پہاڑ کی چوٹی سے بھی ۱۵ ہاتھ اونچا ہو گیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ۸۰ ہاتھ اونچا ہو گیا۔ اور اس نے زمین کے طول و عرض میں نرم، سخت، پہاڑی، میدانی، اور ریتلے غرض ہر قسم کے علاقے کو اپنی پیٹ میں لے لیا، جس کے نتیجے میں زمین پر کوئی بھی جاندار باقی نہ بچا۔

اس طوفان میں نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی غرق ہوا جس کا ذکر سورۃ ھود میں آتا ہے۔ نوح علیہ السلام نے آخری وقت میں بھی اس کو ایمان لانے کی تلقین کی لیکن وہ اپنے کفر پر قائم رہا اور غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گیا۔

اولادِ نوح علیہ السلام:

طوفانِ نوح کے بعد نوح علیہ السلام کے سوا کسی کی بھی نسل باقی نہ رہی اسی لیے پھر ساری انسانیت نوح علیہ السلام کے بیٹوں سے ہی آگے بڑھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيتهُ هُمُ الْبَاقِين﴾[2]

''اور اس کی ہی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والا بنا دیا۔''

امام طبری رحمہ اللہ* اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''وقوله (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ) يقول: وجعلنا ذريّة نوح هم الذين بقوا في الأرض بعد مَهْلِك قومه، وذلك أن الناس كلهم من بعد مَهْلِك نوح إلى اليوم إنما هم ذرية نوح، فالعجم والعرب أولاد سام بن نوح، والترك والصقالبة والخَزَر أولاد يافث بن نوح، والسودان أولاد حام بن نوح''[3]

---

[1] ابن کثیر،حافظ عماد الدین، **قصص الانبياء** ، ص:106

[2] الصافات: 77

*امام طبری کا پورا نام محمد بن جریر بن یزید الطبری ہے اور ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ یہ مؤرخ بھی ہیں اور مفسر بھی۔ وہ آمل طبرستان میں پیدا ہوئے، بغداد میں آباد ہوئے اور وہیں پر وفات پائی۔ ان کا شمار ثقہ مؤرخین میں ہوتا ہے۔ ابن الأثیر نے ان کو تاریخ میں اوثق قرار دیا ہے اور ان کی تفسیر کثرتِ علم اور تحقیق پر دلالت کرتی ہے۔ وہ مجتہد تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر لوگ ان کی تقلید کرتے تھے۔(الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، دار العلم للملايين، الطبعة :الخامسة عشر ٢٠٠٢ م،ج:6، ص: 69)

[3] الطبري، محمد بن جرير، **جامع البيان عن تأويل آي القرآن**، دار التربية والتراث مكة المكرمة، الطبعة بدون تاريخ نشر،ج:21، ص:59

یعنی اس طوفان کے بعد نوح علیہ السلام کی اولاد ہی زمین پر باقی رہی لہٰذا تمام لوگ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ عرب و عجم سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں، ترک، صقالبہ * اور خزر یافث بن نوح کی اولاد میں سے اور اہلِ سوڈان حام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

اس سے متعلق امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"عن ابن عباس في قوله (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ) يقول: لم يبق إلا ذرية نوح"[1]

یعنی نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ بچا۔ نوح علیہ السلام پر ان کی اولاد کے علاوہ بھی لوگ ایمان لائے تھے لیکن طوفان کے بعد صرف نوح علیہ السلام کی نسل ہی آگے بڑھی اور دیگر اہلِ ایمان کی نسل ختم ہو گئی۔[2]

امام ابنِ خلدون * نے بھی اپنی کتاب تاریخ خلدون میں یہ بات ذکر کی ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد نسلِ انسانی نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے چلی اسی لیے نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔[3]

اس سے متعلق امام حاکم نے اپنی کتاب میں ایک روایت بھی ذکر کی ہے:

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: وَلَدُ نُوحٍ ثَلَاثَةٌ سَامُ وَحَامُ وَيَافِثُ أَبُو الرُّومِ))[4]

---

* سلاوی قوم جو بلغاریہ اور قسطنطنیہ کے درمیان رہا کرتی تھی بعد میں بلادِ یورپ میں پھیل گئی۔ (https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-saqaaliba?lang=ur)

[1] الطبري، محمد بن جرير، **جامع البيان عن تأويل آي القرآن**، ج:21، ص:59

[2] بھٹوی، حافظ عبدالسلام، **تفسیر القرآن الکریم**، دارالاندلس، ج:۳، ص:۸۹ے

*امام ابن خلدون 32 ہجری میں پیدا ہوئے اور 808 ہجری میں وفات پائی۔ ان کا نام عبدالرحمن بن محمد بن محمد تھا۔ امام ابن خلدون نے فارس، غرناطہ اور اندلس کی طرف سفر کیا لیکن ان کو کافی سازشوں اور بہتانوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ واپس تیونس آ گئے۔ امام ابن خلدون کو تاریخ اور عمرانیات کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے العبر کے نام سے ہسپانوی عربوں کی تاریخ رقم کی تھی جو دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ مقدمہ فی التاریخ ہے جو مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقدمہ تاریخ سیاست عمرانیات اقتصادیات اور ادبیات پر مشتمل ہے۔ (الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، ج:3، ص: 330)

[3] ابنِ خلدون، عبدالرحمان، **دیوان المبتدأ والخبر في تاریخ العرب والبربر ومن عاصرھم من ذوي الشأن الأکبر**، ج:2، ص:7-6

[4] النيسابوري، أبو عبد الله الحاكم، **المستدرك على الصحيحين**، كتاب: تواريخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، باب ذكر نوح النبي، ج: 3، ص: 412، ح:4060- و قال امام حاکم هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، [التعليق - من تلخيص الذهبي]4060 - على شرط البخاري ومسلم

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ * سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نوح کے تین بیٹے تھے۔ سام، حام اور یافث ابو الروم۔

یہ نوح علیہ السلام کے وہ تین بیٹے تھے جو ان پر ایمان لائے تھے جبکہ قرآن مجید سے ان کے ایک اور بیٹے کا بھی پتہ چلتا ہے جس کا نام کنعان تھا اور وہ طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔[1]

نوح علیہ السلام کی وفات:

نوح علیہ السلام کی عمر کے بارے میں مختلف روایات آتی ہیں۔ امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نوح علیہ السلام کی عمر سے متعلق روایات ذکر کی ہیں:

قال ابن عباس: بعث نوح لأربعين سنة، ولبث في قومه ألف سنة إلا خمسين عاما، وعاش بعد الغرق ستين سنة حتى كثر الناس وفشوا. وعنه أيضا: أنه بعث وهو ابن ميتين وخمسين سنة، ولبث فيهم ألف سنة إلا خمسين، وعاش بعد الطوفان مائتي سنة. وقال وهب: عمر نوح ألفا وأربعمائة سنة. وقال كعب الأحبار: لبث نوح في قومه ألف سنة إلا خمسين عاما، وعاش بعد الطوفان سبعين عاما فكان مبلغ عمره ألف سنة وعشرين عاما[2]

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق نوح علیہ السلام کو ۴۰ سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور ساڑھے نو سو سال تک وہ تبلیغ کرتے رہے اور اس کے بعد بھی وہ ساٹھ سال تک زندہ رہے یہاں تک کہ لوگ پھیل گئے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کو اڑھائی سو سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے اور طوفان کے بعد بھی دو سو سال تک زندہ رہے۔ وھب بن منبہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کی عمر سترہ سو سال تھی۔ کعب الاحبار کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ۹۵۰ سال تک رہے اور طوفان کے بعد ستر سال تک زندہ رہے لہٰذا ان کی عمر ۱۰۲۰ سال بنتی ہے۔

نوح علیہ السلام کی عمر کے بارے میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ چونکہ قرآن و حدیث میں کوئی واضح بات موجود نہیں ہے اس لیے ان میں سے کسی بھی قول کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔

---

*سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک نوجوان لڑکے تھے اور آپ ﷺ سے علم سیکھا کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے بعد وہ بصرہ میں جا کر آباد ہوئے۔ امام ابنِ سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سمرہ نے اپنے بیٹوں کے نام جو خط لکھے اس میں بھی کثیر علم پایا جاتا ہے۔ آپ کی وفات ۸۹ھ میں ۵۸ سال کی عمر میں بصرہ میں ہوئی۔(الجزری، ابو الحسن علی بن ابی الکریم، **اسد الغابه فی معرفة الصحابة**، الناشر: دار الکتب العلمیةالطبعة: الأولی،سنة النشر: ١٤١٥ھ ، ج:٢، ص:٥٥٤،الرقم: ٢٢٤٢)۔

[1] تقی عثمانی، مفتی محمد، **آسان ترجمہ قرآن**، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 1432ھ، ص:679

[2] القرطبي، محمد بن أحمد الأنصاري، الجامع لأحكام القرآن، دار الكتب المصرية – القاهرة، الطبعة: الثانية، 1384 هـ، ج:13، ص:332

حضرت ابراہیم علیہ السلام

نام ونسب اور پیدائش:

ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے: إِبْرَاهِيمُ بْنُ تَارَخَ بْنِ نَاحُورَ بْنِ سَارُوغَ بْنِ رَاغُوَ بْنِ فَالَغَ بْنِ عَابَرَ بْنِ شَالَخَ بْنِ أَرْفَخْشَدَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔[1]

ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "ولما كان عمر تارخ خمسا وسبعين سنة ولد له إبراهيم عليه السلام، وناحور، وهاران، وولد لهاران لوط. وعندهم أن إبراهيم عليه السلام هو الأوسط، وأن هاران مات في حياة أبيه في أرضه التي ولد فيها، وهي أرض الكلدانيين يعنون أرض بابل. وهذا هو الصحيح المشهور عند أهل السير والتواريخ والأخبار"[2]

۷۵ برس کی عمر میں تارخ کے ہاں ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ پھر ناحور اور ہاران پیدا ہوئے اور ہاران کے ہاں لوط علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ مؤرخین نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ اپنے بھائیوں میں درمیانے تھے۔ ہاران اپنے باپ کی زندگی میں ہی اسی علاقہ میں فوت ہو گیا جہاں وہ پیدا ہوا تھا، وہ کلدانیوں کا علاقہ یعنی بابل شہر تھا۔ اہلِ سیر و تاریخ کے ہاں یہی معروف ہے۔

ابنِ عساکر رحمہ اللہ * نے اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام دمشق میں برزہ نامی بستی میں واقع قاسیون پہاڑ میں پیدا ہوئے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ بابل میں پیدا ہوئے اور برزہ نامی بستی کی طرف آپ کو اس لیے منسوب کیا گیا کہ جب آپ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے گئے تھے تو وہاں آپ نے نماز ادا کی تھی۔[3]

ابراہیم علیہ السلام کے فضائل:

ا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے امامت کے درجہ پر فائز کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام پر مختلف آزمائشیں آئیں اور وہ ہر آزمائش میں پورے اترے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں امامت کے درجے پر فائز کیا، جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **البداية والنهاية**، ج:1، ص: 324

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **البداية والنهاية**، ج:1، ص: 325

*ابن عساکر کا نام علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ تھا۔ ان کی پیدائش اور وفات دمشق میں ہوئی۔ یہ بارہویں صدی کے عظیم مسلم مؤرخ اور محدث تھے۔ ان کی شہرت کی وجہ تاریخِ دمشق ہے جو 80 جلدوں میں تصنیف کی گئی ہے۔ ان کا شمار شام کے مستند شافعی فقہاء و محدثین میں ہوتا ہے۔(الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، ج:4، ص: 273)

[3] ابن عساکر، علی بن حسن بن ھبۃ اللہ، **تاریخ مدینۃ دمشق**، دار الفکر، ۱۴۱۵ھ، ج:۶، ص:۱۶۴

﴿وَإِذِ ٱبۡتَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٖ فَأَتَمَّهُنَّۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامٗاۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِيۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِي ٱلظَّٰلِمِينَ﴾[1]

''جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی باتوں سے آزمایا اور وہ سب میں پورا اترے تو اللہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا، انہوں نے کہا کہ میری اولاد کو؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں ہے۔''

دعوتِ دین کا کام کرتے ہوئے بھی مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جس پر انسان کو دل برداشتہ ہو کر کام نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ صبر کے ساتھ اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اور لوگوں کی اصلاح کا کام جاری رکھنا چاہیے۔ اسی کے نتیجے میں انسان کو کامیابی ملتی ہے۔

۲۔ مقامِ ابراہیم پر حج و عمرہ کے موقع پر دو رکعت نفل ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو یہ فضیلت بھی ملی ہے کہ جس مقام پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا وہاں طواف کے بعد دو نفل ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبۡرَٰهِـۧمَ مُصَلّٗىۖ وَعَهِدۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيۡتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلۡعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ﴾[2]

''تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔''

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند مقام و مرتبہ بہت سی آزمائشوں سے گزارنے کے بعد دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بلند مقام حاصل کرنے کے لیے انسان کو بہت سی آزمائشوں اور تکالیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ دعوتِ دین کا کام بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں انسان کو لوگوں کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر صبر کر کے آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کامیابی حاصل کرنا ناممکن ہے۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے انحرف کرنے والے کو حماقت میں مبتلا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دعوتِ دین کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو اختیار کرنے کی اہمیت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے طریقے سے منہ پھیرنے والے کو بے وقوف کہا گیا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَرۡغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبۡرَٰهِـۧمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفۡسَهُۥۚ وَلَقَدِ ٱصۡطَفَيۡنَٰهُ فِي ٱلدُّنۡيَاۖ وَإِنَّهُۥ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾[3]

---

[1] البقرۃ:124

[2] البقرۃ:125

[3] البقرۃ :130

''دین ابراہیمی سے صرف وہی منہ موڑے گا جو جاہل ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی چن لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک لوگوں میں سے ہو گا۔''

اس سے **معلوم** ہوتا ہے کہ **عقلمندی کا تقاضا یہی** ہے کہ اخروی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انسان **ملتِ ابراہیم** کی پیروی کرے۔

۴۔ابراہیم علیہ السلام یکسو مسلمان تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ خوبی بھی ہے کہ وہ شرک سے **مکمل** طور پر بچتے ہوئے خالص توحید پر قائم تھے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں آتا ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيّاً وَلَا نَصْرَانِيّاً وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾[1]

''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی بلکہ وہ تو یکسو مسلمان تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے اپنا رخ صرف ایک اللہ کی طرف کر رکھا تھا۔اگرچہ اس معاشرے میں شرک عام تھا لیکن وہ ہر قسم کے شرک سے خود کو بچا کر رکھنے والے تھے۔

۵۔ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل یعنی خاص دوست کہا۔

ابراہیم علیہ السلام کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست کہا جیسا کہ سورۃ النساء میں آتا ہے:

﴿وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلاً﴾[2]

''اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنا لیا۔''

خلیل اس دوست کو کہتے ہیں جس کی دوستی دل میں سرایت کر جاتی ہے یعنی جو خاص دوست ہوتا ہے۔یہ مقام اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا۔

۶۔ابراہیم علیہ السلام کو قرآن میں ایک امت کہا گیا ہے۔

سورۃ النحل میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ خوبی بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اکیلے ہی ایک امت کے برابر تھے:

﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِّلَّهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِۚ﴾[3]

''بے شک ابراہیم ایک امت تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یکسو مسلمان تھے۔وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔''

---

[1] آل عمران:67

[2] النساء:125

[3] النحل :122-120

یعنی وہ ساری خوبیاں جو کہ ایک قوم کو ملا کر بنتی ہیں وہ اکیلے ابراہیم علیہ السلام میں موجود تھیں۔

۷۔ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی۔

ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادی گئی جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں آتا ہے:

﴿قُلْنَا يَٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَٰمًا عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ﴾[1]

''ہم نے کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے سلامتی بن جا۔''

اس سے ابراہیم علیہ السلام کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کس قدر اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ بھی ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادی۔

۸۔ابراہیم علیہ السلام قلبِ سلیم کے مالک تھے۔

انسانوں میں سے قلبِ سلیم کے مالک لوگ کم ہی پائے جاتے ہیں۔قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام سے متعلق یہ بات موجود ہے کہ ان کا دل بالکل سلامت تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِۦ لَإِبْرَٰهِيمَ إِذْ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾[2]

''اور اس (نوح علیہ السلام) کے گروہ میں سے ابراہیم (علیہ السلام بھی) تھے۔جو اپنے رب کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئے۔''

قلب سلیم سے مراد صحیح سلامت دل ہے یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو۔جس میں کفر و شرک اور شکوک و شبہات کا شائبہ تک نہ ہو۔جس میں نافرمانی اور سرکشی کا کوئی جذبہ نہ پایا جاتا ہو۔[3]

جب انسان بہت سی آزمائشوں میں مبتلا ہو جائے تو اس کا دل مختلف شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے لیے دل کو قلبِ سلیم بنانا مشکل ہو جاتا ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے آزمائشوں کے باوجود اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔

۹۔ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر گزار بندہ بھی کہا گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے تھے، سورۃ النحل میں فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِّلَّهِ حَنِيفاً وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ﴾[4]

''بے شک ابراہیم ایک امت تھے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یکسو مسلمان تھے۔وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔''

---

[1] الانبیاء :69

[2] الصافات :84-83

[3] مودودی،ابوالاعلی، **تفہیم القرآن**،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،۱۳۶۸ھ،ج:۴،ص:۲۹۲

[4] النحل :122-120

دعوت واصلاح کا کام کرنے والے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے اور لوگوں کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھے۔

۱۰۔ حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کو بہترین انسان کہا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: ((جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ))[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا: یاخَیرَ البرِیّۃِ! اے تمام مخلوق میں سے بہترین انسان! آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

یہ ابراہیم علیہ السلام سے متعلق چند فضائل ہیں جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں۔یہاں ان کا تذکرہ کرنا اس لیے ضروری تھا تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ یہ وہ شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی فضیلت بخشی ہے اور ان کے طریقہ کار کی پیروی کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ انہی کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے ہم اپنے خاندان کی تربیت واصلاح بہترین انداز میں کر سکتے ہیں۔

علاقہ بعثت:

ابراہیم علیہ السلام کو جب منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ حران کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔اس سلسلے میں امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’كان أهل حران يعبدون الكواكب و الاصنام و كل من كان على وجه الارض كانوا كفارا سوى إبراهيم الخليل و امراته وابن اخيه لوط عليه السلام وكان الخليل عليه السلام هو الذي أزال الله به تلك الشرور، و أبطل به ذاك الضلال، فإن الله سبحانه و تعالىٰ آتاه رشده في صغره وابتعثه رسولا واتخذه خليلاً في كبره‘‘[2]

حران کے لوگ ستاروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے۔اس زمانے میں پوری روئے زمین پر کافر ہی آباد تھے اور سوائے بت پرستی اور کواکب پرستی کے کسی اور دین سے واقف نہیں تھے۔ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام اس شرک سے محفوظ تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی رشد و ہدایت سے نوازا اور بڑھاپے میں ان کو رسول اور اپنا خلیل بنایا۔

---

[1] قشيری،مسلم بن حجاج، **الصحيح**، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل صلى الله عليه وسلم، ج:4، ص:1839، ح:2369

[2] ابن كثير،حافظ عماد الدين، **قصص الانبياء**، ص:168

ابراہیم علیہ السلام کی ازواج:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا نام حضرت سارہ تھا۔ یہ وہ خاتون ہیں جن سے فرشتے ہم کلام ہوئے قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت سارہ آپ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور آپ کی نبوت پر ایمان بھی لا چکی تھیں۔ قحط سالی کے زمانے میں ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت سارہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل کے ساتھ اس طرح مذکور ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ،أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ: دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ بِامْرَأَةٍ هِيَ مِنْ أَحْسَنِ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ مَنْ هَذِهِ الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ: أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ: لَا تُكَذِّبِي حَدِيثِي، فَإِنِّي أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي، وَاللهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ قَالَ الْأَعْرَجُ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَتِ: اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ تُصَلِّي وَتَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي، فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ هَذَا الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ فَيُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ، أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلَّا شَيْطَانًا، ارْجِعُوهَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، وَأَعْطُوهَا آجَرَ، فَرَجَعَتْ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَأَخْدَمَ وَلِيدَةً.))[1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے ساتھ ہجرت کی تو ایک ایسے شہر میں پہنچے جہاں ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کسی نے کہہ دیا کہ وہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت لے کر یہاں آئے ہیں۔ بادشاہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا کہ ابراہیم! یہ عورت جو تمہارے ساتھ ہے تمہاری کیا ہوتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام سارہ رضی اللہ عنہا کے یہاں آئے تو ان سے کہا کہ میری بات نہ جھٹلانا میں تمہیں اپنی بہن کہہ آیا ہوں۔ خدا کی قسم! آج روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے سارہ کو بادشاہ کے یہاں بھیجا یا بادشاہ حضرت سارہ کے پاس گیا۔ اس وقت حضرت سارہ وضو کر کے نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہو گئیں اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان رکھتی ہوں، اور اپنے شوہر کے سوا کسی سے بھی اپنی

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، الطبعة: السلطانية، بالمطبعة الكبرى الأميرية، ببولاق مصر، 1311 ھ، كتاب البيوع، باب شراء المملوك من الحربي وهبته وعتقه، ج:3، ص:80، ح:2217

شرمگاہ کی حفاظت کی ہے، تو تو مجھ پر کسی کافر کو مسلط نہ کر۔ اتنے میں وہ بادشاہ کانپنے لگا اور اس کا پاؤں زمین میں دھنس گیا۔ حضرت سارہ نے پھر اللہ سے دعا کی: 'اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے ہی مارا ہے۔' اس کے بعد بادشاہ چھوٹ گیا اور حضرت سارہ کی طرف بڑھا، لیکن حضرت سارہ نے پھر وضو کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی اور وہی دعا کی جو پہلے کی تھی: 'اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں، اور اپنے شوہر کے سوا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کر۔' اتنے میں بادشاہ تھرایا اور اس کا پاؤں زمین میں دھنس گیا۔ حضرت سارہ نے اللہ کے حضور میں دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اسی نے مارا ہے۔ چنانچہ وہ پھر چھوٹ گیا اور حضرت سارہ کی طرف بڑھا۔ حضرت سارہ وضو کر کے پھر نماز پڑھنے لگی تھیں اور یہ دعا کرتی جاتی تھیں اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے شوہر کے سوا اور ہر موقع پر میں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کر۔ چنانچہ وہ پھر تھرایا، کانپا اور اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اسی نے مارا ہے۔ اب دوسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ بھی وہ بادشاہ چھوڑ دیا گیا۔ آخر وہ کہنے لگا کہ تم لوگوں نے میرے یہاں ایک شیطان بھیج دیا۔ اسے ابراہیم کے پاس لے جاؤ اور انہیں آجر (حضرت ہاجرہ) کو بھی دے دو۔ پھر حضرت سارہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ دیکھتے نہیں اللہ نے کافر کو کس طرح ذلیل کیا اور ساتھ میں ایک لڑکی بھی دلوادی۔

پھر بادشاہ کے حکم پر حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے واپس فلسطین لوٹ آئے اور آپ کے ساتھ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ بھی تھیں۔ حضرت ہاجرہ آپ دونوں کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ حضرت سارہ عمر رسیدہ ہوتی گئیں۔ سر کے بال سفید ہو گئے اور نہایت بوڑھی اور کمزور ہوتی گئیں۔ چونکہ وہ بانجھ تھیں اس لیے آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ جب اولاد کے حصول سے بالکل ناامید ہو گئیں تو حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کا نکاح ابراہیم علیہ السلام سے کرا دیا جن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

قرآن مجید میں ذکر آتا ہے کہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری دی جس پر حضرت سارہ نے انتہائی تعجب کا اظہار بھی کیا کیونکہ وہ اس وقت کافی بوڑھی ہو چکی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بانجھ بھی تھیں۔ [1]

حضرت سارہ کو صرف بیٹے کی خوشخبری ہی نہیں بلکہ اس کے بعد پوتے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بھی دی گئی جیسا کہ سورۃ ھود میں آتا ہے:

﴿وَٱمْرَأَتُهُۥ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَٰهَا بِإِسْحَٰقَ وَمِن وَرَآءِ إِسْحَٰقَ يَعْقُوبَ﴾ [2]

''اس کی بیوی جو وہاں کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی، پس ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔''

---

[1] الذاریات: 30-24

[2] ھود: 71

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان پر یہ رحمتیں اور برکتیں تھیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو رہی تھیں۔ ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلہ کو جاری کیا۔

اولادِ ابراہیم علیہ السلام:

قصص الانبیاء میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر اس طرح آتا ہے:

''أول من ولد له اسماعيل من هاجر القبطية المصرية، ثم ولد له إسحاق من سارة بنت عم الخليل، ثم تزوج بعدها قنطورا بنت يقطن الكنعانية فولدت له ستة: مدين، و زمران، و سرج، و يقشان، و نشق، و لم يسم السادس. ثم تزوج بعدها حجون بنت أمين، فولدت له خمسة: كيسان، و سورج، و أميم، و لوطان، و نافس.''[1]

سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جو حضرت ہاجرہ سے تھے۔ اس کے بعد حضرت سارہ سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے کنعان کی خاتون قنطورا سے شادی کی تو ان سے چھ بچے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں: مدین، زمران، سرج، یقشان، نشق اور چھٹے کا نام معلوم نہیں۔ پھر آپ نے حجون بنت امین سے شادی کی تو اس سے پانچ بچے پیدا ہوئے جو کیسان، سورج، امیم، لوطان اور نافس ہیں۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے چار شادیاں کیں۔ آپ کی کل اولاد ۱۳ تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات:

اہلِ کتاب کے مطابق ابراہیم علیہ السلام ۱۷۵ برس کی عمر میں فوت ہوئے اور حبرون مقام میں اپنی بیوی سارہ کے ساتھ ہی دفن ہوئے۔ آپ کے کفن دفن کا انتظام آپ کے بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام نے کیا۔[2]

ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے ایک داعئ دین کے لیے بہت سے اہم اسباق حاصل ہوتے ہیں مثلاً صرف اللہ کی طرف یکسو ہو جانا، شکر گزاری اختیار کرنا، صبر سے کام لینا۔ ان صفات کو اختیار کرتے ہوئے انسان دوسروں کو دین کی دعوت کے کام میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

---

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبیاء**، ص:240

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبیاء**، ص:237

حضرت اسماعیل علیہ السلام

پیدائش:

اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کب ہوئی، اس سے متعلق امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولدته ولإبراهيم من العمر ست وثمانون سنة قبل مولد إسحاق بثلاث عشرة سنة[1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب چھیاسی برس ہوئی تو آپ کی دوسری بیوی سیدہ ہاجرہ کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور اس کے تیرہ سال بعد اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

فضائل:

ا۔ جہان والوں پر فضیلت:

اسماعیل علیہ السلام کو بھی دیگر انبیاء کی طرح جہان والوں پر فضیلت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَإِسۡمَٰعِيلَ وَٱلۡيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطٗاۚ وَكُلّٗا فَضَّلۡنَا عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ﴾[2]

''اور اسماعیل، یسع، یونس، لوط اور ہر ایک کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

۲۔ بیت اللہ کی تعمیر کرنا:

بیت اللہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا مقدس ترین گھر ہے جس کی تعمیر بہت سے مراحل میں ہوئی۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کے دور میں بیت اللہ کی تعمیر ہوئی تو اس میں میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام بھی شریک تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ وَإِسۡمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّآۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ﴾[3]

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

بیت اللہ کی تعمیر کرنا ایک بہت بڑی فضیلت ہے جو اسماعیل علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔

---

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **البداية والنهاية** ، ج:1، ص: 355

[2] الانعام:86

[3] البقرة :127

۳۔بیت اللہ کو پاک رکھنا:

بیت اللہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر وقت اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اور دور دراز سے لوگ یہاں عمرہ وحج کرنے آتے ہیں۔ اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا انتہائی ضروری تھا، لہٰذا یہ ذمہ داری ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو دی گئی تھی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا ٱلْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ﴾[1]

"ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے واسطے ثواب اور امن وامان والی جگہ بنایا، تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے وعدہ لیا تھا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا۔"

بیت اللہ کی تعمیر کرنا ایک فضیلت تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو پاک صاف رکھنے کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو دی جو بذاتِ خود الگ سے بہت بڑی فضیلت تھی۔

۴۔وعدے کی پاسداری:

قرآن کریم میں اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں یہ گواہی موجود ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔

﴿وَٱذْكُرْ فِي ٱلْكِتَـٰبِ إِسْمَـٰعِيلَ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلْوَعْدِ﴾[2]

"اور اس کتاب میں اسماعیلؑ کا واقعہ بیان کرو، بیشک وہ وعدے کا سچا تھا۔"

اسماعیل علیہ السلام کی بہت ساری صفات میں سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ یہ وہ صفت ہے جو ایک داعیٔ دین کے اندر ہونا بہت ضروری ہے، کیونکہ ایک شخص قابلِ اعتبار تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ اس کام کو پورا کر دکھائے جو وہ کہتا ہے۔ اگر ایک شخص وعدہ خلافی کرنے والا ہو تو اس کی بات بھی پر اثر نہیں رہے گی اور وہ لوگوں کو دین کی طرف راغب نہیں کر سکے گا۔

۵۔بردباری:

قرآن میں اسماعیل علیہ السلام کے تحمل و برداشت کا ذکر بھی موجود ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر دیں تو اسماعیل علیہ السلام نے انتہائی صبر اور حوصلہ کا مظاہرہ کیا۔ سورۃ الصافات میں آتا ہے:

---

[1] البقرة : 125

[2] مريم :54

﴿قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ فَٱنظُرۡ مَاذَا تَرَىٰۚ قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾[1]

"اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! آپ کو جو حکم ملا ہے ویسا ہی کریں، ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

موت سے ہر انسان کو خوف آتا ہے اور اگر کسی انسان کو بتا دیا جائے کہ تمہیں ذبح کر دیا جائے گا تو اس کے خوف کا عالم بہت زیادہ ہو جاتا ہے لیکن اسماعیل علیہ السلام کی بردباری تھی کہ وہ بالکل بھی نہیں گھبرائے بلکہ انتہائی صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے والد کو وہی کرنے کا کہا جیسا ان کو اللہ کی طرف سے حکم ملا تھا۔

٦۔ صبر کرنا:

اسماعیل علیہ السلام کے صابر ہونے کی دلیل قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے:

﴿وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِدۡرِيسَ وَذَا ٱلۡكِفۡلِۖ كُلّٞ مِّنَ ٱلصَّٰبِرِينَ وَأَدۡخَلۡنَٰهُمۡ فِي رَحۡمَتِنَآۖ إِنَّهُم مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾[2]

"اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل، (علیہم السلام) یہ سب صبر کرنے والے لوگ تھے۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا، بیشک وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔"

اسماعیل علیہ السلام سے متعلق یہ وہ فضائل ہیں جو قرآن مجید سے ثابت ہیں کہ وہ وعدے کے پاسدار تھے، انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا، بردبار اور صبر کرنے والے تھے اور جہان والوں پر فضیلت رکھنے والے انبیاء میں شامل ہیں۔ ان فضائل کو جاننا اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ جن انبیاء کے اسلوب و منہج کی پیروی کرتے ہوئے ہم نے خاندان کی تربیت واصلاح کرنی ہے ان کی شخصیت کس طرح کی تھی۔ شخصیت سے متعلق علم ہو تو ان کی پیروی کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام وادی مکہ میں:

تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت سارہ نے ابرہیم علیہ السلام پر حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو نکالنے کا دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ تاریخ ابنِ خلدون میں لکھا گیا ہے:

"وأدركت سارة الغيرة من هاجر و طلبت منه إخراجها، وأمره الله أن يطيع سارة في أمرها، فهاجر بها إلى مكة ووضعها وابنها بمكان زمزم عند دوحة هنالك وانطلق. فقالت له هاجر: آلله أمرك؟ قال: نعم. فقالت: إذاً لا يضيعنا."[3]

---

[1] الصافات :102-99

[2] الانبياء :86-85

[3] ابنِ خلدون، عبد الرحمان، **ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر**، ج:2، ص: 40

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہ کی بات ماننے کا حکم دیا۔ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں مقامِ زمزم کے نزدیک چھوڑ دیا۔جب واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے ان سے سوال پوچھا کہ کیا اس کا حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں۔اس پر حضرت ہاجرہ نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ ہمیں ہر گز ضائع نہیں کرے گا۔ابراہیم علیہ السلام نے واپسی پر مضطرب ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

﴿رَّبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجۡعَلۡ أَفۡـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَٱرۡزُقۡهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ﴾[1]

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی بعض اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس بے آب وگیاہ وادی میں بسایا ہے۔اے ہمارے رب! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے،اور انہیں پھلوں کی روزیاں عطا فرماتا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔"

اسی دعا کی برکت سے مکہ کی سرزمین پر ہر چیز ایک وافر مقدار میں موجود ہے۔اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل مکہ کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی واپسی کے بعد اسماعیل علیہ السلام کو شدید پیاس لگی جس کے بارے میں ابنِ خلدون اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں:"وانطلق إبراهيم و عطش إسماعيل بعد ذلك عطشا شديدا، واقامت هاجر تتردد بين الصفا و المروة، إلى أن صعدت عليها سبع مرات لعلها تجد شيئاً، ثم أتته وهو يفحص برجليه فنبعت زمزم."[2]

بہر حال ان کے واپس جانے کے بعد اسماعیل علیہ السلام کو پیاس کی شدت ستانے لگی۔حضرت ہاجرہ پریشانی کی حالت میں کبھی کوہِ صفا پر چڑھ کر دیکھتی پانی کا نشان نہ ملتا تو کوہِ مروہ پر آجاتی لیکن کہیں سے پانی کا نام ونشان نہیں مل رہا تھا۔یہاں تک کہ سات مرتبہ انہوں نے یہ چکر مکمل کر لیے۔اللہ تعالیٰ نے ان سات چکروں کو عمرہ وحج کا لازمی رکن مقرر کر دیا۔اسماعیل علیہ السلام اس وقت رو رہے تھے اور ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے تھے جس کی وجہ سے اللہ کے حکم سے پانی کا چشمہ زمزم ابل پڑا۔حضرت ہاجرہ نے اسماعیل علیہ السلام کو چپ کروایا اور پانی کے گرد مٹی کی ایک مینڈھ سی بنادی۔اس موقع پر جبریل علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو یہ تسلی دی کہ اسی چشمے سے اللہ کے مہمان سیراب ہوں گے اور کچھ عرصے بعد اس لڑکے کا باپ یہاں آئے گا اور دونوں مل کر بیت اللہ کی تعمیر کریں گے۔اس بات سے حضرت ہاجرہ کے دل کو اطمینان ملا۔پھر جرہم کا ایک گروہ وہاں سے گزرا اور اس بات سے وہ تھوڑا حیران ہوئے کہ وہاں

---

[1] ابراهيم :37

[2] ابنِ خلدون، عبد الرحمان، **ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر** ، ج:2، ص: 41

پرندے اڑ رہے تھے۔ پھر حضرت ہاجرہ کو وہاں دیکھ کر وہ کچھ دیر تو خاموش رہے اس کے بعد حضرت ہاجرہ کی اجازت سے اس گروہ نے وہیں پر قیام کرنا شروع کر دیا۔اسماعیل علیہ السلام اسی قبیلے میں پروان چڑھے۔انہی سے عربی زبان سیکھی۔ان لوگوں نے اپنے ہی خاندان کی ایک عورت سے آپ کا نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ہاجرہ کا انتقال ہو گیا۔اسماعیل علیہ السلام نے ان کو مقامِ حجر میں دفن کر دیا۔[1]

حضرت ہاجرہ کے اس مثالی صبر سے اور ان کے اللہ کے فیصلے پر راضی رہنے سے جو انعام ان کو ملا کہ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا اور ان کا پانی کی تلاش میں صفا و مروہ پہاڑی کے چکر لگانے کو حج و عمرہ کا حصہ بنا دیا گیا کہ اس کے بغیر کسی کا حج و عمرہ مکمل ہی نہیں نیز اسماعیل علیہ السلام کی اتنی بہترین تربیت کی کہ ان کو ابراہیم علیہ السلام کے خلاف نہیں کیا جو کہ عمومی طور پر ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے کہ والد کی طرف سے ذرا سی سختی پر بھی والدہ اپنی اولاد کو والد کے خلاف کر دیتی ہیں، اس سب سے ہمیں سیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک مثالی اور دین پر قائم رہنے والے خاندان کے قیام میں ایک نیک اور صبر و شکر کرنے والی عورت کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔

ازواجِ اسماعیل علیہ السلام:

تاریخ ابنِ خلدون میں اسماعیل علیہ السلام کی ازواج سے متعلق مذکور ہے:

" و ان ابراهيم وجد امرأة اسماعيل في غيبة منه وكانت من العماليق و هي عمارة بنت سعيد بن أسامة بن أكيل فرآها فظة غليظة فأوصاها لإسماعيل بأن يحول عتبة بابه- فلما قصت عليه الخبر والوصية قال ذلك أبي يامرني أن أطلقك فطلقها وتزوج بعدها السيدة بنت مضاض بن عمرو الجرهمي "[2]

اسماعیل علیہ السلام کی ازواج سے متعلق صحیح بخاری میں بھی ایک طویل روایت موجود ہے جس میں آتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے پہلے ایک خاتون سے نکاح کیا لیکن اس نے ایک شکایتی انداز اختیار کیا اور ان کے رویہ سے شکر گزاری کا پہلو نمایاں نہ ہوا۔ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کا حکم دیا۔دوسری بیوی کا انداز شکر گزاری اور قناعت پر مبنی تھا اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے برکت کی دعا بھی کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بھی یہ کہا کہ وہ اس بیوی کے ساتھ ہی زندگی بسر کریں۔[3]

---

[1] ابنِ خلدون، عبد الرحمان، **ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر**، ج:2، ص: 41

[2] ایضاً

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب (یزفون) النسلان في المشي، ج:4، ص:142، ح:3364

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کے شکایتی رویے کے سبب آپ نے اس کو طلاق دے دی اور پھر آپ نے اسی قبیلے کی دوسری خاتون سے شادی کر لی۔

اولادِ اسماعیل علیہ السلام:

تاریخ ابنِ خلدون میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں مذکور ہے:

"ثم قبضه الله اليه وخلف ولده بين جرهم وكانوا على ما ذكر في التوراة اثنتي عشر أكبرهم بنايوت ثم قيذار و أدبيل و بسام و مشمع و ذوما و مسار و حرّاه و قيما و بطور و نافس و قدما."[1]

یعنی اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے: بنایوت، قیذار، ادبیل، بسام، مشمع، ذوما، مسا، حراہ، قیما، بطور، نافس اور قدما۔

علاقہ بعثت:

اسماعیل علیہ السلام نے مکہ میں بنی جرہم قبیلے میں پرورش پائی، اسی قبیلے میں آپ نے شادی کی اور عربی زبان بھی سیکھی۔ آپ کو اسی علاقے کی طرف مبعوث بھی کیا گیا۔ تاریخ ابنِ خلدون میں مذکور ہے:

"فإسماعيل سكن مع جرهم بمكة وتزوج فيهم و تعلم لغتهم و تكلم بها و صار أبا لمن بعده من أجيال العرب، و بعثه الله إلى جرهم والعمالقة الذين كانوا بمكة و إلى أهل اليمن فآمن بعض و كفر بعض."[2]

ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اسماعیل علیہ السلام مکہ میں ہی رہے۔ بنی جرہم میں انہوں نے پرورش پائی تھی اور انہی کی طرف اسماعیل علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ نیز آپ کو اطرافِ مکہ میں رہنے والے اور اہلِ یمن کی طرف بھی مبعوث کیا گیا۔ بعض لوگ آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا۔

وفات:

وفات کے وقت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔ ان کو اپنی والدہ حضرت ہاجرہ کے پاس مقامِ ہجر میں ہی دفن کیا گیا۔[3]

---

[1] ابنِ خلدون، عبد الرحمان، **ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر**، ج:2، ص: 44

[2] ایضاً

[3] ایضاً

ابراہیم علیہ السلام کی طرح اسماعیل علیہ السلام بھی بہت سی صفات کے حامل تھے جن کو اپناتے ہوئے ایک داعئ دین اپنے خاندان کی بہتر طور پر اصلاح کر سکتا ہے۔ ان صفات میں سب سے اہم صبر و تحمل ہے جس کے بغیر خاندان کی اصلاح ناممکن ہے۔

یعقوب علیہ السلام

پیدائش:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری بھی سنائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَٱمۡرَأَتُهُۥ قَآئِمَةٞ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنَٰهَا بِإِسۡحَٰقَ وَمِن وَرَآءِ إِسۡحَٰقَ يَعۡقُوبَ﴾[1]

''اور اس کی بیوی جو وہاں کھڑی ہوئی تھی وہ ہنس پڑی، تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔''

یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق امام ابنِ کثیر نے ذکر کیا ہے:

''وذكر أهل الكتاب أن اسحاق لما تزوج «رفقا» بنت بتواييل في حياة أبيه، كان عمره أربعين سنة، و أنها كانت عاقرا فدعا الله لها فحملت، فولدت غلامين توءمين: أولهما اسمه «عيصو» وهو الذي تسميه العرب «العيص» و هو والد الروم. والثاني خرج و هو آخذ بعقب أخيه فسموه «يعقوب» و هو اسرائيل الذي ينتسب اليه بنو اسرائيل.''[2]

اہلِ کتاب کا بیان ہے کہ اسحاق علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں رفقا بنت بتوایل سے شادی کی۔ وہ بانجھ تھیں لیکن آپ کی دعا سے حاملہ ہو گئیں۔ پھر اس نے دو بچوں کو جنم دیا۔ ایک کا نام عیصو تھا جس کو عرب عیص بھی کہتے تھے اور دوسرے کا نام یعقوب تھا جو اپنے بھائی کی ایڑی پکڑے پیدا ہوا تھا۔ آپ کا لقب اسرائیل تھا اسی لیے آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

کنعان کی طرف سفر:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو شکار کا بہت شوق تھا اور وہ بہت اچھے شکاری بھی تھے۔ اسحاق علیہ السلام اکثر ان سے شکار کی فرمائش بھی کرتے تھے اور یعقوب علیہ السلام بہت شوق اور صدق سے ان کے لیے شکار کرتے تھے۔ اپنے والدین کی خدمت میں یعقوب علیہ السلام ہمیشہ عیصو پر سبقت لے جاتے تھے۔ اس پر شکر گزار ہونے کے بجائے عیصو کو یعقوب علیہ السلام سے حسد شروع ہو گیا۔ جب والدہ کو اس بات کا احساس ہوا تو انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو حران سے کنعان کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ ان کے بھائی نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا داماد بنانے کا بھی ارادہ کر رکھا تھا لہٰذا یعقوب علیہ السلام کنعان کی طرف چلے گئے۔ امام ابنِ کثیرؒ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

[1] هود :71

[2] ابن كثير،حافظ عماد الدين، **قصص الانبياء**، ص:284

''فلما سمعت أمهما ما يتواعد به العيص أخاه يعقوب أمرت ابنها يعقوب أن يذهب إلى أخيها لابان الذي بأرض حران، وأن يكون عنده إلى حين يسكن غضب أخيه عليه، وأن يتزوج من بناته''[1]

اس کے بعد امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فخرج يعقوب عليه السلام من عندهم آخر ذلك اليوم فأدركه المساء في موضع فنام فيه أخذ حجرا فوضعه تحت رأسه ونام فرأى في نومه ذلك معراجا منصوبا من السماء إلى الأرض، وإذا الملائكة يصعدون فيه وينزلون، والرب تبارك وتعالى يخاطبه، ويقول له: إني سأبارك عليك، وأكثر ذريتك، وأجعل لك هذه الأرض ولعقبك من بعدك''[2]

یعقوب علیہ السلام اسی شام کو وہاں سے نکل گئے۔اور راستے میں جب رات ہوئی تو پتھر کا تکیہ بنا کر سو گئے۔خواب میں انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہورہے ہیں اور ایک فرشتے نے ان کو اللہ کی طرف سے وحی پہنچائی اور نہ صرف انہیں نبوت اور برکت کی بشارت دی بلکہ ان کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری رہنے کی بشارت بھی سنائی۔

یعقوب علیہ السلام کا نکاح:

یعقوب علیہ السلام کے نکاح سے متعلق امام ابنِ کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایہ والنھایہ میں ذکر کیا ہے:

''فلما قدم يعقوب على خاله أرض حران إذا له ابنتان اسم الكبرى ليا، واسم الصغرى راحيل، فخطب إليه راحيل، وكانت أحسنهما، وأجملهما فأجابه إلى ذلك بشرط أن يرعى على غنمه سبع سنين، فلما مضت المدة عمل خاله لابان طعاما، وجمع الناس عليه، وزف إليه ليلا ابنته الكبرى ليا، وكانت ضعيفة العينين قبيحة المنظر، فلما أصبح يعقوب إذا هي ليا، فقال لخاله: لم غدرت بي، وأنت إنما خطبت إليك راحيل. فقال: إنه ليس من سنتنا أن نزوج الصغرى قبل الكبرى فإن أحببت أختها فاعمل سبع سنين أخرى وأزوجكها. فعمل سبع سنين، وأدخلها عليه مع أختها، وكان ذلك سائغا في ملتهم، ثم نسخ في شريعة التوراة''[3]

یعقوب علیہ السلام جب اپنے ماموں لابان کے پاس کنعان پہنچے تو اس وقت لابان کی دو جوان بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی کا نام لیا تھا جو کہ ضعفِ بصارت کا شکار بھی تھیں اور چھوٹی بیٹی کا نام راحیل تھا جو نہایت خوبصورت تھی۔یعقوب علیہ السلام راحیل سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن لابان نے یہ شرط رکھی کہ وہ سات سال تک ان کے مویشی چراتے رہیں۔

---

[1] ابن کثیر،حافظ عماد الدین، **البداية والنهاية**، ج:1، ص: 448

[2] ایضاً، ص:449

[3] ایضاً

یعقوب علیہ السلام نے ان کی شرط منظور کی۔ سات سال بعد لابان نے برادری اور دنیاداری کی روایات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہ پہلے چھوٹی بیٹی کا نکاح کیسے ہو سکتا ہے اپنی بڑی بیٹی کا نکاح یعقوب علیہ السلام سے کرادیا۔ جب یعقوب علیہ السلام نے اس حوالے سے ماموں سے بات کی تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ مزید سات سال تک ان کے مویشی چرائیں گے تو وہ راحیل کا نکاح بھی یعقوب علیہ السلام سے کرادیں گے (اس وقت دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح جائز تھا)۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے مزید سات سال تک ان کے مویشی چرائے اور پھر راحیل سے ان کا نکاح ہو گیا۔

اولادِ یعقوب علیہ السلام:

اولادِ یعقوب علیہ السلام کی تفصیل کتاب البدایہ والنہایہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''ووهب لابان لكل واحدة من ابنتيه جارية فوهب لليا جارية اسمها زلفا، ووهب لراحيل جارية اسمها بلها، وجبر الله تعالى ضعف ليا بأن وهب لها أولادا فكان أول من ولدت ليعقوب روبيل، ثم شمعون، ثم لاوي، ثم يهوذا، فغارت عند ذلك راحيل، وكانت لا تحبل فوهبت ليعقوب جاريتها بلها فوطئها فحملت وولدت له غلاما سمته دان، وحملت وولدت غلاما آخر سمته يفثالي، فعمدت عند ذلك ليا فوهبت جاريتها زلفا من يعقوب عليه السلام فولدت له جاد وأشير غلامين ذكرين، ثم حملت ليا أيضا فولدت غلاما خامسا منها وسمته أيساخر، ثم حملت وولدت غلاما سادسا سمته زابلون، ثم حملت وولدت بنتا سمتها دينا، فصار لها سبعة من يعقوب، ثم دعت الله تعالى راحيل وسألته أن يهب لها غلاما من يعقوب، فسمع الله نداءها وأجاب دعاءها فحملت من نبي الله يعقوب فولدت له غلاما عظيما شريفا حسنا جميلا سمته يوسف''[1]

یعقوب علیہ السلام کے ماموں لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو کنیزیں دی تھیں جن کا نام زلفا اور بلہا تھا۔ لیا اور راحیل دونوں نے اپنی کنیزیں یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کی تھیں اور آپ کی ان چاروں سے ہی اولاد تھی جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ لیا سے چھ بیٹے تھے: روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، ایساخر اور زابلون۔ لیا سے ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام دینا تھا۔ راحیل سے آپ کے دو بیٹے تھے: یوسف اور بنیامین۔ لیا کی لونڈی زلفا سے دو بیٹے تھے: جاد اور اشیر۔ راحیل کی لونڈی بلہا سے دو بیٹے تھے: دان اور نیفتالی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے کل ۱۲ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

[1] ابن كثير، حافظ عماد الدين، **البداية والنهاية**، ج:1، ص: 450

وفات:

اہلِ کتاب کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی وفات پر مصر کے لوگوں نے 70 دنوں تک سوگ منایا۔ یوسف علیہ السلام کے حکم پر اطباء نے یعقوب علیہ السلام کو حنوط لگائی اور چالیس دن تک وہ اسی حالت میں رہے۔

''وذكروا أنه لما مات يعقوب بكى عليه أهل مصر سبعين يوما، وأمر يوسف الأطباء فطيبوه بطيب، ومكث فيه أربعين يوما، ثم استأذن يوسف ملك مصر في الخروج مع أبيه ليدفنه عند أهله، فأذن له وخرج معه أكابر مصر وشيوخها، فلما وصلوا حبرون دفنوه في المغارة التي كان اشتراها إبراهيم الخليل من عفرون بن صخر الحيثي''[1]

پھر یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے والد کو خاندان کے دیگر لوگوں کے ساتھ دفن کریں۔ لہٰذا آپ کے ساتھ کچھ دیگر بزرگ اور سردار بھی روانہ ہوئے اور یعقوب علیہ السلام کو حبرون کے اسی غار میں دفن کر دیا گیا جو ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صخر لیثی سے خریدا تھا۔

یوسف علیہ السلام

نام و نسب:

یوسف علیہ السلام کے نسب نامہ سے متعلق ایک روایت میں آتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ((الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.))[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یعنی یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام۔

فضیلت:

یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ نبی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک پوری سورت نازل فرمائی اور یوسف علیہ السلام کے قصے کو ایک بہترین قصہ بھی قرار دیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ ٱلْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلْغَٰفِلِينَ﴾[3]

---

[1] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبیاء**، ص:333

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب أم كنتم شهداء إذ حضر يعقوب الموت، ج:4، ص:149، ح:3382

[3] یوسف:3

"ہم آپ کے سامنے سب سے بہترین قصہ پیش کرتے ہیں کیونکہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیااور یقیناً آپ اس سے پہلے اس قصے سے ناواقف تھے۔"

بلاشبہ یوسف علیہ السلام کا قصہ ایک بہترین قصہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ پورا واقعہ قرآن میں اس لیے بیان کیا تاکہ ہم اس پر غور وکر کرکے نصیحت حاصل کریں۔

یوسف علیہ السلام کی فضیلت میں امام بخاری نے حدیث بیان کی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ ((قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ قَالَ أَكْرَمُهُمْ أَتْقَاهُمْ قَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ لَيْسَ عَنْ هَذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ))[1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو سب سے زیادہ متقی ہو وہ سب سے زیادہ باعزت ہے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی ہمارا مقصد یہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر سب سے زیادہ باعزت یوسف نبی اللہ بن نبی اللہ (یعقوب) بن نبی اللہ (اسحاق) بن خلیل اللہ (ابراہیم) تھے۔

حسن یوسف علیہ السلام:

یوسف علیہ السلام کے حسن کی تعریف نبی ﷺ نے اس طرح کی ہے:

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((أُعْطِيَ يُوسُفُ شَطْرَ الْحُسْنِ))[2]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوسف علیہ السلام کو آدھا حسن دیا گیا۔

یوسف علیہ السلام مصر میں:

یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی جس کی وجہ سے ان کے باقی بیٹے یوسف علیہ السلام سے حسد کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ یعقوب علیہ السلام سے انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ یوسف کا خیال رکھیں گے اور اس طرح وہ ان کو اپنے ساتھ باہر لے گئے جہاں انہوں نے آپ علیہ السلام کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا اور واپس آکر یعقوب علیہ السلام کے سامنے یہ بہانہ بنایا کہ یوسف کو ایک بھیڑیا کھا گیا ہے۔ سورۃ یوسف میں اس پورے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے کہ پھر وہاں ایک قافلہ آیا اور اس قافلہ والے نے یوسف علیہ السلام کو نہایت کم قیمت میں فروخت کر دیا۔ یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے خریدا تھا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ وہ یوسف علیہ السلام کا خاص خیال رکھے ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں کوئی نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں گے۔[3]

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب أم كنتم شهداء إذ حضر يعقوب الموت، ج:4، ص:147، ح:3374

[2] أبو شيبة، عبد الله بن محمد، **المصنف**، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٠٩هـ، كتاب النكاح، باب مَا قَالُوا فِي الْحُسْنِ مَا هُوَ؟ ج:4، ص:42، ح:17593 و صححه الالبانی فی صحيحه، الناشر: المكتب الإسلامي، ج: 1، ص: 241، الرقم: 1063-

[3] یوسف:8-21

اس طرح یوسف علیہ السلام مصر پہنچے اور عزیز مصر کے پاس رہنے لگے۔ مصر میں بھی یوسف علیہ السلام کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن یوسف علیہ السلام ہر حال میں حق اور سچ پر قائم رہے۔

وزارتِ خزانہ کے منصب پر:

یوسف علیہ السلام کی سچائی اور ایمانداری نے انہیں وزارتِ خزانہ کے منصب تک پہنچا دیا جیسا کہ سورۃ یوسف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ قَالَ إِنَّكَ ٱلۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِينٌ أَمِينٌ قَالَ ٱجۡعَلۡنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ ٱلۡأَرۡضِۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[1]

"بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اسے اپنے لیے خاص کر لوں، پھر جب اس سے بات چیت کی تو کہنے لگا کہ آپ ہمارے ہاں آج سے بہت باعزت اور امانت دار ہیں۔ (یوسف نے) کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا اور علم رکھنے والا ہوں۔"

اس حوالے سے اہلِ کتاب کا کہنا ہے کہ: "أن فرعون عظم يوسف عليه السلام جداً، وسلطه على جميع أرض مصر، وألبسه خاتمه، وألبسه الحرير و طوقه الذهب و حمله على مركبه الثاني و نودى بين يديه أنت رب و مسلط وقال له: لست أعظم منك إلا بالكرسي"[2]

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی بہت عزت کی اور ان کو پورے مصر کا حاکم بنا دیا۔ شاہی انگوٹھی، ریشمی لباس اور سونے کا ہار بھی پہنایا۔ آپ کو دوسری سواری پر سوار کر کے یہ اعلان کیا کہ آج سے یوسف ہی بادشاہ ہیں حکومت کی ساری ذمہ داری ان پر ہے میں صرف کرسی پر ان سے بزرگ تر ہوں گا۔

وفات:

یوسف علیہ السلام کی وفات کس عمر میں ہوئی اس سے متعلق امام ابنِ جریرؒ نے تاریخ طبری میں ذکر کیا ہے: "ومات وهو ابن مائة وعشرين سنة قَالَ: وفي التوراة أنه عاش مائة سنة وعشر سنين"[3]

آپ کی وفات ۱۲۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور تورات میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی وفات ۱۱۰ سال کی عمر میں ہوئی۔

امام ابنِ جریرؒ نے مزید ذکر کیا ہے کہ: "وأوصى يوسف أن يحمل جسده حتى يدفن إلى جنب آبائه، فحمل موسى تابوت جسده عند خروجه من مصر معه"[4]

---

[1] یوسف:54-55

[2] ابن کثیر، حافظ عماد الدین، **قصص الانبياء**، ص:316

[3] الطبري، محمد بن جرير، **تاريخ الرسل والملوك**، دار التراث، بيروت، الطبعة الثانية، ١٣٨٧ هـ، ج:1، ص:364

[4] ایضاً

یوسف علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ ان کو اپنے آباؤاجداد کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی میت کو حنوط لگا کر ایک تابوت میں رکھ دیا گیا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو آپ کے تابوت کو بھی ساتھ لے گئے اور آپ کو فلسطین میں اپنے آباؤاجداد کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں فلسطین میں دفن کیا گیا اور اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ یا ۱۱۰ سال تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

نام ونسب:

موسیٰ علیہ السلام کا نام ونسب امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے: ''موسى بن عمران بن قاهث بن عازر بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم عليه السلام''[1]

پیدائش:

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب مصر کا بادشاہ فرعون بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم کر رہا تھا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ فرعون کے اس عمل کا سبب یہ تھا کہ اس کو نجومیوں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک نوجوان آپ کی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ امام ابنِ جریرؒ بیان کرتے ہیں:

''لما تقارب زمان موسى أتى منجمو فرعون وحزاته إليه، فقالوا: تعلم أنا نجد في علمنا أن مولودا من بني إسرائيل قد أظلك زمانه الذي يولد فيه، يسلبك ملكك، ويغلبك على سلطانك، ويخرجك من أرضك، ويبدل دينك فلما قالُوا له ذلك أمر بقتل كل مولود يولد من بني إسرائيل من الغلمان وأمر بالنساء يستحيين''[2]

جب مسلسل بچے قتل ہوتے رہے تو قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی کہ بنی اسرائیل تعداد میں کم ہوتے جارہے ہیں اس طرح تو جو کام ہم ان سے لیتے ہیں وہ ہمیں خود کرنا پڑے گا۔ لہٰذا فرعون نے یہ حکم جاری کر دیا کہ ایک سال بچوں کو زندہ رکھا جائے اور ایک سال انہیں قتل کر دیا جائے۔

''فولد هارون في السنة التي يستحيا فيها الغلمان، وولد موسى في السنة التي فيها يقتلون، فكان هارون أكبر منه بسنة''[3]

چنانچہ ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جب بچے زندہ رکھے جاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اس سال ہوئی جب بچوں کو قتل کیا جارہا تھا۔ اس لیے ہارون علیہ السلام ان سے ایک سال بڑے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں ہی ہوئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو ان کی ماں نہایت خوفزدہ تھیں کہ کہیں فرعون ان کے بچے کو قتل نہ کردیں۔ لہٰذا ان کی والدہ کو یہ بات الہام کی گئی کہ وہ اپنے بچے کو صندوق میں ڈال کر دریا میں چھوڑ دے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایسا ہی کیا لیکن ساتھ ہی اپنی بیٹی کو بھی یہ کہا کہ

---

[1] ابن كثير، حافظ عماد الدين، **قصص الانبياء**، ص:377

[2] الطبري، محمد بن جرير، **تاريخ الرسل والملوك**، ج:1 ، ص:387

[3] ایضاً، ص:388

وہ اس صندوق کے پیچھے جائے اور اس کی نگرانی کرے۔ یہ صندوق فرعون کے لوگوں تک پہنچ گیا انہوں نے صندوق اٹھایا اور فرعون کے گھر لے گئے۔ فرعون کی بیوی نے جب اس بچے کو دیکھا تو ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہت محبت کے جذبات پیدا ہوئے اور انہوں نے فرعون کو اس بچے کے قتل سے منع کر دیا اور کہا کہ ہو سکتا ہے یہ ہمیں نفع دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام قتل سے بچ گئے۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ بھی پورا ہونا تھا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو انکی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیں گے لہٰذا اللہ کے حکم سے ایسا ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی بھی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے۔ اسی دوران موسیٰ علیہ السلام کی بہن وہاں پہنچی اور اس نے فرعون کی بیوی سے کہا کہ وہ ایک ایسے گھر کو جانتی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کی کفالت ہو سکتی ہے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس واپس پہنچ گئے۔ ان کی والدہ نے ہی انہیں دودھ پلایا اور فرعون کے گھر میں ہی موسیٰ علیہ السلام پروان چڑھے۔[1]

اس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر پہنچے اور اسی کے گھر میں پرورش پائی۔ فرعون اس بات سے لاعلم تھا کہ یہی بچہ بڑا ہو کر میرا تختہ الٹ دے گا۔

فضائل:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خود کلام فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا﴾[2]

"اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا جیسے کلام کیا جاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا ان کے لیے بہت بڑی فضیلت کی بات ہے جو ان کے سوا کسی کو بھی حاصل نہ ہوئی۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت باعزت تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت عزت حاصل تھی جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوۡاْ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا قَالُواْۚ وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهٗا﴾[3]

---

[1] القصص:13-7

[2] النساء:164

[3] الاحزاب:69

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی، پس جو بات انہوں نے کہی تھی اللہ نے انہیں اس سے بری کر دیا، اور وہ اللہ کے نزدیک بہت باعزت تھے۔''

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے عاجزی وانکساری کی وجہ سے اس بات سے منع کیا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دی جائے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے جس میں آتا ہے:

((عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ فی حديثٍ طويل و فيه: ((لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ.))[1]

رسول اللہ ﷺ سے ایک طویل روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) پر فوقیت نہ دیا کرو۔ قیامت والے دن لوگوں کو بے ہوش کر دیا جائے گا اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا، لیکن میں دیکھوں گا کہ موسیٰ (علیہ السلام) عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے یا انہیں اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہی نہیں کیا تھا۔

یہ موسیٰ علیہ السلام کے فضائل میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس بات کی ممانعت کر دی کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دی جائے۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی حیا سے متعلق ایک روایت میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ))[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی شرم والے اور بدن ڈھانپنے والے تھے۔ ان کی حیاء کی وجہ سے ان کے بدن کو کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے چند فضائل جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب فرمایا، اللہ کے نزدیک آپ بہت باعزت انسان تھے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو اس بات کی تاکید کی کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دی جائے۔ نیز آپ ایک بہت باحیا انسان تھے۔

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب وفاۃ موسی وذکرہ بعد، ج:4، ص:157، ح:3408

[2] ایضاً، ج:4، ص:156، ح:3404

موسیٰ علیہ السلام کا نکاح:

قرآن مجید سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غلطی سے ایک قبطی شخص کو قتل کر دیا تھا جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے درباری موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ اس وجہ سے موسیٰ علیہ السلام اپنی جان بچانے کے لیے مصر سے نکل کر مدین پہنچ گئے۔ مدین پہنچ کر انہوں نے ایک کنوئیں کے پاس کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں جبکہ دو لڑکیاں وہاں کھڑی تھیں اور انتظار کر رہی تھیں کہ لوگ وہاں سے جائیں تو وہ بھی اپنے مویشیوں کو پانی پلا سکیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مویشیوں کو پانی پلا دیا۔ ان لڑکیوں نے واپس جا کر اپنے والد کو بتایا اور ان سے درخواست کی کہ ہم ان کو اپنے پاس کام پر رکھ لیتے ہیں۔ ان لڑکیوں کے والد نے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا اور ان سے اپنی ایک بیٹی کے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا لیکن ساتھ یہ شرط رکھی کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس کچھ سال کام کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے اور اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ سورۃ القصص میں یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔[1]

والد کے لیے اپنی بیٹی کے نکاح کا فیصلہ کرنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص اور اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہو کر ان لڑکیوں کے والد نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس میں دیر بھی نہیں لگائی۔

بعثت:

موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں دس سال قیام کیا۔ اس کے بعد وہ اپنی بیوی کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب طورِ سینا پہنچے تو رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول گئے۔ انہوں نے آگ جلانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو انہیں طورِ سینا پر کچھ روشنی نظر آئی جن کو وہ آگ سمجھے، اپنی بیوی کو وہیں بیٹھے رہنے کا کہا اور خود اس روشنی کے پیچھے چل دیے تاکہ راستہ کچھ معلوم ہو سکے لیکن جب اس روشنی کے پاس پہنچے تو وہاں کچھ اور پایا۔ سورۃ القصص میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى ٱلْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِۦٓ ءَانَسَ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ نَارًۭا قَالَ لِأَهْلِهِ ٱمْكُثُوٓا۟ إِنِّىٓ ءَانَسْتُ نَارًۭا لَّعَلِّىٓ ءَاتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍۢ مِّنَ ٱلنَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ فَلَمَّآ أَتَىٰهَا نُودِىَ مِن شَٰطِئِ ٱلْوَادِ ٱلْأَيْمَنِ فِى ٱلْبُقْعَةِ ٱلْمُبَٰرَكَةِ مِنَ ٱلشَّجَرَةِ أَن يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّىٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾[2]

---

[1] القصص:22-28

[2] القصص:29-30

"جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کرلی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے کہ تم ٹھہرو! میں نے آگ دیکھی ہے شاید کہ میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی انگارہ لاؤں تاکہ تم سینک لو۔ پھر جب وہ وہاں پہنچے تو اس بابرکت زمین کے میدان کے دائیں کنارے کے درخت میں سے آواز دیئے گئے کہ اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، تمام جہانوں کا رب۔"

اسی مقام پر آپ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جا کر انہیں حق کی طرف بلائیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے متعلق علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں "أن جاءه الوحي وهو ابن ثمانين سنة و أوحى إلى أخيه هارون وهو ابن ثلاث و ثمانين سنة"[1]

یعنی موسیٰ علیہ السلام ۸۰ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے جبکہ ہارون علیہ السلام کو ۸۳ سال کی عمر میں نبوت ملی۔

وفات:

موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے متعلق صحیح بخاری کی ایک روایت میں کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ ((أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ قَالَ ارْجِعْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِمَا غَطَّتْ يَدُهُ بِكُلِّ شَعَرَةٍ سَنَةٌ قَالَ أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْآنَ قَالَ فَسَأَلَ اللهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ تَحْتَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ))[2]

ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس موت کے فرشتے کو بھیجا۔ جب ملک الموت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں چہرے پر مارا، ملک الموت اللہ کی بارگاہ میں واپس آئے اور عرض کیا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوبارہ ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھیں، ان کے ہاتھ میں اس کے جتنے بال آجائیں ان میں سے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر انہیں دی جائے گی۔ ملک الموت دوبارہ آئے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سنایا۔ موسیٰ (علیہ السلام) بولے: اے میرے رب! پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر موت ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ پھر ابھی کیوں نہ آجائے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بیت المقدس سے مجھے اتنا قریب کر دیا جائے کہ جہاں ان کی قبر ہو وہاں سے اگر کوئی پتھر پھینکے تو وہ بیت المقدس تک پہنچ سکے۔ ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو میں بیت المقدس میں تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو راستے کے کنارے پر ہے، ریت کے سرخ ٹیلے سے نیچے۔

---

[1] ابنِ خلدون، عبد الرحمان، **ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر**، ج:2، ص: 93

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحيح**، كتاب احاديث الانبياء، باب وفاة موسى وذكره بعد، ج:4، ص:157، ح:3407

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس کے علاقے میں دفن کیا گیا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام

نام و نسب:

حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ نے زکریا علیہ السلام کا نسب کچھ اس طرح ذکر کیا ہے: ''زکریا بن أدن بن مسلم بن صدوق بن محمان بن داود بن سلیمان بن مسلم بن صدیقة بن برحیة من ملقاطیة بن ماجور بن سلوم بن بھقانیا بن حاش بن أنیا بن خثعم بن سلیمان بن داود''[1]

آپ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی کنیت ابو یحییٰ تھی۔ قرآن مجید میں بھی زکریا علیہ السلام کا واقعہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

زکریا علیہ السلام کی اولاد:

قرآن مجید میں آتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی اولاد نہیں تھی۔ ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ حصولِ اولاد کی خاطر وہ اللہ سے دعائیں کرتے تھے۔ سورۃ مریم میں آتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو یہ بات تشویش میں مبتلا کرتی تھی کہ اگر ان کی اولاد نہ ہوئی تو ان کا وارث کون بنے گا۔ اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں اپنے پاس سے نیک اولاد عطا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی، زکریا علیہ السلام کی بیوی کو تندرست کر دیا اور انہیں یحییٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی۔[2]

قرآن مجید سے ہمیں اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کا ایک بیٹا تھا اور ان کا نام یحییٰ علیہ السلام تھا۔ یحییٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔

زکریا علیہ السلام کی وفات:

امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے زکریا علیہ السلام کی وفات سے متعلق ذکر کیا ہے کہ ان کے بارے میں دو مختلف اقوال پائے جاتے ہیں:

---

[1] ابن عساکر، علی بن حسن بن ھبۃ اللہ، **تاریخ مدینۃ دمشق**، ج:۱۹، ص:۴۸

[2] مریم:2-7

''روى عبد المنعم بن إدريس بن سنان عن أبيه، عن وهب بن منبه، أنه قال: هرب من قومه، فدخل شجرة فجاءوا فوضعوا المنشار عليها، فلما وصل المنشار إلى أضلاعه أن، فأوحى الله إليه: لئن لم يسكن أنينك لأقلبن الأرض ومن عليها. فسكن أنينه حتى قطع باثنتين''[1]

اس روایت کے مطابق زکریاعلیہ السلام کو قتل کیا گیا تھا۔۔آپ اپنی قوم سے بھاگ کر ایک درخت میں چھپ گئے تھے۔ قوم نے ایک آرا لیا اور درخت کو چیر نا شروع کر دیا۔ جب آرا آپ کی پسلیوں تک پہنچا تو آپ بآواز بلند چلانے لگے۔ اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اگر آپ چلانا بند نہ ہوئے تو میں زمین کو تمام مخلوقات سمیت الٹ دوں گا۔اس پر زکریاعلیہ السلام خاموش ہوگئے اور قوم نے آپ کے دو ٹکڑے کر دیے۔

دوسری روایت جو زکریاعلیہ السلام کی وفات سے متعلق ہے: ''روى إسحاق بن بشر، عن إدريس بن سنان، عن وهب، أنه قال: الذي انصدعت له الشجرة هو أشعيا، فأما زكريا فمات موتا''[2]

اس روایت کے مطابق زکریاعلیہ السلام نے اپنی طبعی موت ہی وفات پائی تھی۔

---

[1] ابن کثیر،حافظ عماد الدین، **البداية والنهاية**، ج:2، ص: 406

[2]ایضاً

حضرت محمد ﷺ

نام ونسب:

رسول اکرم ﷺ کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے: ''محمد بن عبد الله ابن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصي، بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر ابن كنانة بن خزيمة بن مدركة بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان''[1]

پیدائش:

سیرت ابنِ ہشام میں آتا ہے کہ نبی ﷺ عام الفیل میں 12 ربیع الاول کو پیر والے دن پیدا ہوئے۔ نبی ﷺ کی تاریخ پیدائش میں کافی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ معروف یہی ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔[2]

نبی ﷺ کی پیدائش پیر والے دن ہوئی۔اس کے متعلق صحیح مسلم میں روایت موجود ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الِاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ))[3]

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ * سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوموار کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی میری ولادت کا دن ہے اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔''

یعنی جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ربیع الاول کا مہینہ تھا اور سوموار کا دن تھا۔

نبی ﷺ کی ازواج:

نبی کریم ﷺ کی ازواج کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔خدیجہ بنت خویلد	۲۔سودۃ بنت زمعۃ	۳۔عائشہ بنت ابی بکر
۴۔حفصہ بنت عمر	۵۔زینب بنت خزیمہ	۶۔ہند بنت ابی امیہ (ام سلمہ)

---

[1] ابن هشام، عبد الملك، **السيرة النبوية**، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة: الثانية، 1375ھ،ج:1، ص:3

[2] ایضاً، ج:1، ص:158

[3] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحيح**، كتاب الصيام، باب استحباب صيام ثلاثة أيام من كل شهر وصوم يوم عرفة وعاشوراء والاثنين والخميس، ج:2، ص:820، ح:1162

*ابو قتادہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ان کی کنیت ابو قتادہ ہے جبکہ ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کے مطابق ان کا اصل نام حارث بن ربعی ہے۔جنگ احد اور خندق میں شریک ہوئے اور اس کے بعد بھی بہت سے مواقع پر نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔نبی ﷺ نے ان کو برکت کی دعا بھی دی۔۷۰ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔(ابنِ سعد، ابو عبداللہ، الطبقات الکبریٰ، ج:4، ص:378، الرقم:695)۔

۷۔زینب بنت جحش ۸۔جویریہ بنت حارث ۹۔صفیہ بنت حیی

۱۰۔رملہ بنت ابی سفیان (ام حبیبہ) ۱۱۔میمونہ بنت حارث

نبی ﷺ کی اولاد:

آپ ﷺ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا سے تھی سوائے ایک بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے۔ سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے انہی کی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی، اس کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے لیکن آپ ﷺ کے یہ دونوں بیٹے کم سنی میں ہی فوت ہوگئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی چار بیٹیاں پیدا ہوئیں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنھن۔[1]

آپ ﷺ کا ایک بیٹا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ سے تھے جو کہ شاہِ مصر مقوقس نے آپ ﷺ کو ہبہ کی تھی۔[2]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

نبی ﷺ کے فضائل:

نبی کریم ﷺ کے فضائل میں چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ نبی ﷺ بنوہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔

بنوہاشم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس قبیلے سے ایک رسول اٹھایا گیا اور اس کو دیگر قبائل پر فضیلت عطا کردی گئی۔ اس سے متعلق صحیح مسلم میں روایت ہے:

عَنْ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ((إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ))[3]

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ * نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ نے اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی بعثت سے بنوہاشم قبیلے کو بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔

---

[1] قطب، محمد علی، **زوجات الانبیاء وامھات المومنین**، 1425ھ، ص:116

[2] ایضاً، ص:۱۸۳

[3] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحيح**، کتاب الفضائل ، باب فضل نسب النبي صلى الله عليه وسلم، وتسليم الحجر عليه قبل النبوة، ج:4، ص:1782، ح:2276

*واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ ان کی کنیت ابوشداد تھی۔ غزوہ تبوک سے چند دن قبل اسلام قبول کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ ان کی وفات ۸۳ھ میں دمشق میں ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس میں ان کی وفات ہوئی۔ (الجزری، ابوالحسن علی بن ابی الکریم، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، الناشر: دارالکتب العلمیہ، الطبعہ الاولی، 1415ھ، ج:5، ص:399، الرقم:5429)۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔

سلسلہ نبوت رسول ﷺ پر ختم ہو جاتا ہے اور اب قیامت تک کوئی بھی پیغمبر نہیں آئے گا۔ سورۃ الاحزاب میں آتا ہے:

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ﴾[1]

''محمد تمہارے آدمیوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔''

اس سے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ((إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ))[2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک محل ہو جسے بہترین انداز میں تعمیر کیا گیا ہو لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، دیکھنے والے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں اور اس اینٹ کی جگہ کے علاوہ اس کے حسنِ تعمیر پر تعجب کرتے ہیں، میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔''

۳۔ قیامت والے دن نبی ﷺ کے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے تعداد میں دیگر امتوں سے زیادہ ہوں گے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ))[3]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تمام انبیاء سے میرے متبعین زیادہ ہوں گے اور جنت کے دروازے پر سب سے پہلے میں دستک دوں گا۔''

اگرچہ دیگر انبیاء نے ہمارے نبی ﷺ سے کافی زیادہ عرصہ کے لیے دعوتِ دین کا کام کیا ہو لیکن پیروکار نبی ﷺ کے زیادہ ہوں گے۔

---

[1] الاحزاب:40

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كتاب المناقب ، باب خاتم النبيين صلى الله عليه وسلم ، ج:4، ص:186، ح:3535

[3] قشیری،مسلم بن حجاج، **الصحیح**، كتاب الإيمان، باب في قول النبي صلى الله عليه وسلم: «أنا أول الناس يشفع في الجنة وأنا أكثر الأنبياء تبعا»، ج:1، ص:188، ح:196

۴۔ جنت کا ایک مقام وسیلہ نبی ﷺ کو ملے گا۔

وسیلہ جنت میں ایک مقام ہے جس سے متعلق نبی ﷺ کو امید ہے کہ وہ مقام انہی کو ملے گا۔اس کے بارے میں ایک روایت میں آتا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى الله عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ))[1]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنھما کی اس روایت میں وسیلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اذان کا جواب دینے کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیج کر جو بھی ان کے لیے وسیلہ مانگے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہو جائے گی اور وسیلہ جنت کا وہ مقام ہے جس سے متعلق نبی ﷺ کو امید ہے کہ وہ مقام ان کو ملے گا۔

۵۔ روزِ محشر نبی ﷺ شفاعت کریں گے۔

روزِ محشر سب سے پہلے نبی ﷺ کو شفاعت کا حق حاصل ہو گا۔اور آپ ﷺ کی شفاعت قبول بھی کی جائے گی، جیسا کہ ایک روایت میں تاہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ))[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت والے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلا ہوں گا جس کی شفاعت مقبول بھی ہو گی۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کو پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي، كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ،

---

[1] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحیح**، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ لِمَنْ سَمِعَهُ، ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَسْأَلُ لَهُ الْوَسِيلَةَ، ج:1، ص:288، ح:384

[2] ایضاً، کتاب الْفَضَائِلِ، باب تَفْضِيلِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَمِيعِ الْخَلَائِقِ، ج:4، ص:1782، ح:2278

وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَلَمْ تُحَلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَيِّبَةً طَهُورًا وَمَسْجِدًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ صَلَّى حَيْثُ كَانَ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ بَيْنَ يَدَيْ مَسِيرَةِ شَهْرٍ، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ)) [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا، میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا، میرے لیے زمین کو پاک کرنے والی اور اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا لہٰذا جس شخص کے لیے نماز کا وقت ہو جائے وہ جہاں بھی ہو وہیں نماز پڑھ لے، اور مہینہ بھر کی مسافت سے دشمنوں پر طاری ہو جانے والے رعب سے میری مدد کی گئی اور مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بہت سارے فضائل میں سے یہ کچھ ذکر کیے گئے ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہوتے ہیں کہ آپ ﷺ بنو ہاشم سے ہیں، آپ کو شفاعت کا حق دیا گیا ہے، جنت کا ایک مقام وسیلہ آپ ﷺ کو ملے گا وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات:

نبی ﷺ کا رفیق اعلیٰ کی جانب سفر کے بارے میں آتا ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَقُولُ: ((إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللهِ عَلَيَّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِي بَيْتِي، وَفِي يَوْمِي، وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي، وَأَنَّ اللهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيقِي وَرِيقِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ: دَخَلَ عَلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، وَبِيَدِهِ السِّوَاكُ، وَأَنَا مُسْنِدَةٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَأَيْتُهُ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ السِّوَاكَ، فَقُلْتُ: آخُذُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ: أَنْ نَعَمْ، فَتَنَاوَلْتُهُ، فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ، وَقُلْتُ: أُلَيِّنُهُ لَكَ؟ فَأَشَارَ بِرَأْسِهِ: أَنْ نَعَمْ، فَلَيَّنْتُهُ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ أَوْ عُلْبَةٌ - يَشُكُّ عُمَرُ - فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ، يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ، ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ، فَجَعَلَ يَقُولُ: فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى، حَتَّى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ.)) [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ کی بہت سی نعمتوں میں ایک نعمت مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے گھر میں اور میری باری کے دن ہوئی۔ آپ اس وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی وفات کے وقت میرے اور آپ کے تھوک کو ایک ساتھ جمع کیا تھا کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ حضور ﷺ مجھ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس مسواک کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے آپ سے پوچھا یہ مسواک آپ کے لیے لے لوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے اثبات میں

---

[1] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحيح**، كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةَ، باب جُعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا، ج:1، ص:370، ح:521

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحيح**، كتاب المغازي ، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، ج:6، ص:13، ح:4449

جواب دیا، میں نے وہ مسواک ان سے لے لی۔ حضور ﷺ اسے چبانہ سکے، میں نے پوچھا آپ کے لیے میں اسے نرم کر دوں؟ آپ نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے مسواک نرم کر دی۔ آپ کے سامنے ایک بڑا پیالہ تھا اس کے اندر پانی تھا، آنحضرت ﷺ بار بار اپنے ہاتھ اس کے اندر داخل کرتے اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے لا الہ الا اللہ۔ موت کے وقت شدت ہوتی ہے پھر آپ اپنا ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے فی الرفیق الاعلیٰ یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے اور آپ کا ہاتھ جھک گیا۔

نبی ﷺ کی وفات پیر والے دن ہوئی۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: ((دَخَلْتُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: فِي كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. وَقَالَ لَهَا: فِي أَيِّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: يَوْمَ الِاثْنَيْنِ))[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا ابو بکرؓ کے پاس ان کے مرض الموت میں حاضر ہوئیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تم لوگوں نے کتنے کپڑوں کا کفن دیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ تین سفید دھلے ہوئے کپڑوں کا۔ آپ کو کفن میں قمیض اور عمامہ نہیں دیا گیا تھا۔ ابو بکرؓ نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ آپ کی وفات کس دن ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے بتایا کہ پیر کے دن۔

خلاصہ:

اس فصل میں قرآن مجید کے ان انبیاء کا تعارف پیش کیا گیا جن کا خاندان کی تربیت واصلاح کے حوالے سے قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے۔ ان انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور محمد ﷺ شامل ہیں۔ دورِ حاضر میں گھروں کا ماحول قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے انبیاء کی تعلیمات سے روشناس ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ انہی کی زندگیاں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ اور کسی بھی شخصیت کی اتباع کرنا اس وقت مزید آسان ہو جاتا ہے جب ہمیں اس کا تعارف معلوم ہو۔

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، ج:2، ص:102، ح:1387

فصل دوم

خاندان کی اصلاح میں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار

انبیاء کے تعارف کے بعد اس فصل میں یہ بات زیر بحث لائی جائے گی کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی اصلاح میں کیسا اسلوب اختیار کیا۔ ہر امت کی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا گیا اور ان کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پوری قوم تک پہنچا دے جیسا کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بخوبی سر انجام دیا۔ اگرچہ پیغام ایک ہی تھا جو پوری قوم تک پہنچانا تھا لیکن عموماً انسان اپنے خاندان سے باہر تو حق بات آسانی سے پہنچا دیتا ہے لیکن جہاں بات اپنے اہلِ خانہ کی ہو تو وہاں انسان کو مشکل پیش آتی ہے لہٰذا یہ بات جاننے کی ضرورت ہے کہ انبیاء نے اپنے اہلِ خانہ تک حق بات کیسے پہنچائی۔ اس کے لیے انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا۔ نیز یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے پیغامِ حق جب اہلِ خانہ تک پہنچایا تو کیا ان سب نے اس کو قبول کر لیا یا ان میں سے بعض نے انکار بھی کیا اور انبیاء علیہم السلام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایسے میں انہوں نے کیا طریقہ اختیار کیا۔ اسی ضمن میں قرآنِ مجید کی آیات کی روشنی میں انبیاء کا طریقہ کار درج ذیل ہے:

ا۔ علم کا حصول:

انسان جب دوسروں تک دین کا پیغام پہنچانے کا ارادہ کرے تو انتہائی اہم بات یہ ہے کہ وہ پہلے خود علم حاصل کرے اور اس میں پختگی اختیار کرے۔ بعض اوقات علم کی کمی کی وجہ سے انسان درست بات نہیں پہنچاتا۔ دوسری صورت یہ پیش آتی ہے کہ جب انسان خود پختہ علم کا مالک نہ ہو تو وہ اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکتا بلکہ دوسرے انسان کی طرف سے اگر کوئی شک وشبہ والی بات آجائے تو انسان اپنے علم پر ہی شک کا شکار ہو جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے والد کو حق بات بتائی تو سب سے پہلے انہیں اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ میرے پاس واقعی سیدھے راستے کا علم ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدۡ جَآءَنِي مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَأۡتِكَ فَٱتَّبِعۡنِيٓ أَهۡدِكَ صِرَٰطٗا سَوِيّٗا﴾[1]

"اے میرے ابا جان! بلاشبہ میرے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں لہٰذا آپ میری بات مانیں میں بالکل سیدھے رستے کی طرف آپ کی رہنمائی کروں گا۔"

اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان بذاتِ خود اپنے علم میں پختہ ہو تو وہ بہت بہادری اور دلیری کے ساتھ مخاطب کو اپنی بات کا قائل کر سکتا ہے۔ وہ اپنی باتوں میں تذبذب کا شکار

---

[1] مریم: 43

نہیں ہوتا۔ ابراہیم علیہ السلام کو خود اس بات پر مکمل یقین تھا کہ وہ سیدھے رستے پر ہیں اسی لیے انہوں نے اپنے والد کو مکمل یقین اور اطمینان کے ساتھ کہا کہ میری پیروی کرکے آپ کو سیدھی راہ کی طرف ہی رہنمائی ملے گی۔

سید قطب* اپنی تفسیر فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں کہ ": لا يقول هذا من نفسه إنما هو العلم الذي جاءه من الله فهداه، ولو أنه أصغر من أبيه سنا و أقل تجربة ولكن المدد العلوي جعله يفقه ويعرف الحق ، فهو ينصح أباه الذي لم يتلق هذا العلم"[1]

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو یہ بات اللہ کی طرف سے حاصل شدہ علم کی بنیاد پر کہی، اور یہ ان کی اپنی رائے یا فیصلہ نہیں تھا۔ وہ اپنے والد کو دردمندی کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں کہ آپ کو اس علم کا نہیں پتہ لہذا آپ میری پیروی کریں میں آپ کو راہِ راست دکھاتا ہوں۔ وہ اپنے والد کو کہتے ہیں کہ اگرچہ میں آپ سے عمر میں چھوٹا ہوں اور میرا تجربہ بھی کم ہے لیکن جو باتیں میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔

۲۔ خود با عمل بننا:

کسی کی بھی اصلاح کے لیے اہم اصول یہ ہے کہ انسان نے جو علم حاصل کیا ہے وہ اس پر عمل کرکے دوسروں کے لیے نمونہ بنے۔ یہ اصول اپنے اہلِ خانہ کی تربیت واصلاح کے لیے انتہائی اہم ہے کیونکہ ہمارا زیادہ گہرا تعلق بھی انہی کے ساتھ ہوتا ہے اور زیادہ وقت بھی انہی کے درمیان گزرتا ہے۔ جب وہ ہمیں کوئی عمل پابندی کے ساتھ کرتے دیکھتے ہیں تو ایک دن وہ خود بھی اس عمل کی طرف راغب ہو جاتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص پانچ وقت کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھتا ہو اور پھر اپنے گھر کے افراد کو بھی نماز پڑھنے کی ترغیب دے تو وہ اس کی بات کو اہمیت دیں گے لیکن اگر کوئی شخص نماز کا پابند نہ ہو اور دوسروں کو تلقین کرتا رہے تو اس کی بات میں وزن نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں بھی اس طرزِ عمل پر ملامت کی گئی ہے:

---

*سید قطب 1906 میں مصر میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک معروف مصری اسلامی مفکر، ادیب اور اخوان المسلمین کے نمایاں رہنما تھے۔ ان کا خاندان ایک مذہبی اور علمی گھرانہ تھا۔ سید قطب بچپن سے ہی مذہبی تعلیمات کی طرف مائل تھے اور قران کریم کو حفظ کرنے کا آغاز بھی کم عمری میں ہی کیا۔ ان کی والدہ جو کہ ایک مذہبی خاتون تھیں انہوں نے سید قطب کی ابتدائی اسلامی تعلیمات میں اہم کردار ادا کیا اور انہیں مذہب کے بنیادی اصولوں سے اگاہ کیا۔ سید قطب کی تصانیف میں سب سے اہم ان کی تفسیر فی ظلال القران ہے اور اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ سید قطب کی موت جمال عبدالناصر کی حکومت کے دوران ایک عدالتی مقدمے کے نتیجے میں ہوئی۔ 1965 میں مصری حکومت نے سید قطب اور اخوان المسلمین کے کئی دیگر رہنماؤں پر حکومت کے خلاف سازش کرنے کا الزام لگا کر انہیں گرفتار کیا اور 1966 میں ان کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ سید قطب کو 29 اگست 1966 کو قاہرہ کی جیل میں پھانسی دے دی گئی۔(https://sunnionline.us/urdu/2015/10/5848/)

[1] سيد قطب، **في ظلال القرآن**، دار الشروق، الطبعة الأولى، 1972هـ، ج: 16، ص: 2311

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفۡعَلُونَ كَبُرَ مَقۡتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُواْ مَا لَا تَفۡعَلُونَ﴾[1]

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے۔"

اصلاح کا عمل اسی طرح ممکن ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے بارے میں آتا ہے:

The success of Prophet Muhammad's (PBUH) mission can be attributed to his silent teaching style, honesty, tenderness, sincerity as well as his pure intentions. When it comes to teaching Islam, knowledge is not as essential as how it is presented.[2]

رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ اہلِ خانہ کو بھی نماز قائم کرنے کی تلقین کریں اور خود بھی اس پر قائم رہیں، جیسا کہ سورۃ طہ میں آتا ہے:

﴿وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقٗاۖ نَّحۡنُ نَرۡزُقُكَ﴾[3]

"اپنے اہلِ خانہ کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں۔"

دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ* لفظ اہل کی وضاحت میں لکھتے ہیں: "ويدخل في عموم خطاب النبي صلّى الله عليه وآله وسلّم جميع أمته وأهل بيته على التخصيص.وكان صلّى الله عليه وآله وسلّم بعد نزول هذه الآية يذهب كل صباح إلى بيت فاطمة وعلي رضوان الله عليهما فيقول: «الصلاة»"[4]

اس آیت میں اہل سے عمومی طور پر امت محمدیہ ﷺ مراد ہے اور خصوصاً اہلِ بیت مراد ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ روزانہ صبح کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر جاتے اور ان کو نماز کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے۔

---

[1] الصف:2-3

[2] Taofeek Muhammed Thani, "The teaching methods and techniques of the Prophet (PBUH): An exploratory study", journal of Hadith studies, 6(2021), 67

[3] طه:132

*ڈاکٹر وہبہ الزحیلی 1932 میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کے حصول معاش کا ذریعہ تجارت اور کاشتکاری تھا۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور اس کے بعد وہ دار الخلافہ دمشق گئے اور دمشق یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ آپ نے 1963 میں اسلامی شریعت بالخصوص قانون میں پی ایچ ڈی کی۔ جب تک آپ طالب علم رہے پڑھائی اور مطالعے کے دلچسپ مشغلے سے اپنے اپ کو کبھی فارغ نہیں ہونے دیا۔ آپ نے پاکستان سوڈان اور دیگر ممالک میں طلبہ کو کئی مختلف تربیتی لیکچرز بھی دیے۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے کئی کتب تصنیف کیں۔ ان میں زیادہ تر اسلامی قانون اور اسلامی فقہ پر ہیں۔ فقہ اسلامی میں آپ کا کام کافی وسیع اور اہم ہے۔ آپ کی وفات 8 اگست 2015 بروز ہفتہ دمشق میں ۸۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ (سید حامد فاروق بخاری، وھبۃ الزحیلی بطور فقیہ، راحۃ القلوب، جلد ۳، شمارہ ۲، ۲۰۱۹، ص: ۱۴۹۔۱۵۱)

[4] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، دار الفكر المعاصر دمشق،الطبعة: الثانية، 1418 هـ ج:16، ص:310.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اپنے اہلِ خانہ کو بھی اس کی پابندی کرنے کی تلقین کا کہا ہے۔ اور پھر فوراً رزق کا ذکر کیا گیا ہے جس کے بارے میں دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نهى الله تعالى نبيه أن يشتغل عن الصلاة بسبب الرزق، بل تكفل له برزقه ورزق أهله، فكان عليه الصلاة والسلام إذا نزل بأهله ضيق، أمرهم بالصلاة''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو رزق کی تلاش میں مشغولیت کے باعث نماز سے غافل ہونے سے منع کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ اور آپ کے اہلِ خانہ کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اسی لیے جب بھی نبی ﷺ کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی آتی تو آپ ﷺ انہیں ادئیگیٔ نماز کی ترغیب دیتے تھے۔

۳۔ دل سے فکر مند ہونا:

انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے اگر وہ اس کام کو بوجھ سمجھے تو کبھی بھی اس میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا لیکن اگر وہی کام انسان اخلاص کے ساتھ اور دل کی لگن کے ساتھ کرے تو ایک دن وہ ضرور اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ دعوتِ دین کا کام بھی ایسا ہے کہ یہ انسان سے سچی لگن مانگتا ہے۔ جب تک ہم پورے دل سے دوسرے انسان کے لیے فکر مندی کا اظہار نہیں کریں گے ہمارے جملوں میں تاثیر بھی نہیں ہو گی۔ یہی فکر مندی ابراہیم علیہ السلام کے اسلوب میں بھی نظر آتی ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٞ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيۡطَٰنِ وَلِيّٗا﴾[2]

''اے میرے اباجان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذابِ الٰہی نہ آجائے اور آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔''

---

[1] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:16، ص:310

[2] مريم:45

امام صابونی رحمہ اللہ* اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وقوله {إني أَخَافُ} دليلٌ على شدة تعلق قلبه بمصالحه قضاءً لحق الأبوَّة[1]

یعنی اس آیت میں إِنِّيٓ أَخَافُ کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام دل سے اپنے والد کی اصلاح کے لیے شدید فکر مند تھے کہ کہیں ان کے والد گمراہ نہ ہو جائیں اور ان پر اللہ کی طرف سے عذاب نہ آجائے۔ اس فکر مندی کو انہوں نے صرف اپنے دل میں نہیں رکھا بلکہ اس کا اظہار بھی کیا۔

اس آیت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے انتہائی ادب و احترام کا اظہار کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے والد کو دو ٹوک انداز میں یہ نہیں کہا کہ آپ پر عذاب آجائے گا بلکہ ان کو یہ کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ پر عذابِ الٰہی نہ آجائے۔[2]

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ انتہائی اپنائیت اور خلوص کا اظہار کرنا چاہیے۔ بعض اوقات ایک داعی دین جب گھر سے باہر دعوۃ کا کام کرتا ہے تو اچھے اخلاق کا مظاہرہ کر لیتا ہے لیکن جب اپنے گھر میں دعوۃ کی بات آتی ہے تو ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا ایک مشکل کام ہو جاتا ہے اور یہی اصل امتحان ہوتا ہے کہ ہم اپنے سب سے قریبی لوگوں کے ساتھ کس طرح کے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ ہماری بات میں تاثیر بھی یہیں سے پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ دعا کرنا:

دعوتِ دین کے اسلوب میں انبیاء کا اہم اسلوب یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے شرک سے بچنے کی دعا مانگی جو سورۃ ابراہیم میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

---

* شیخ محمد علی صابونی عصر حاضر میں اہل سنت علماء میں نامور مفسر شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ 1930 کو شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ والد کی سرپرستی میں حصول علم کا سفر شروع کیا۔ علم سے محبت وراثت میں ملی تھی اس لیے پہلے مرحلے پر قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا۔ شیخ محمد علی صابونی نے بہت سے اساتذہ سے کسبِ فیض کیا اور مختلف علوم و فنون میں ماہر ہوئے۔ انہوں نے مختلف شرعی کالجوں میں دینی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول وغیرہ کے ساتھ عصری علوم کیمیا، فزکس، الجبرا، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ اور انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ نے آٹھ سال تک تدریس قرآن و حدیث کا فریضہ جاری رکھا اور پھر سعودی عرب جامعہ الملک عبدالعزیز میں کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ میں لیکچرار تعینات ہو گئے۔ اس جامعہ میں آپ نے 28 سال تک قرآن و سنت کی خدمت کی اور ہزاروں طلباء نے آپ سے قرآن و حدیث کا علم سیکھا۔ علامہ محمد صابونی 50 سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ صفوۃ التفاسیر تین جلدوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ مختصر تفسیر ابن کثیر روائع البیان تفسیر آیات الاحکام من القرآن وغیرہ شامل ہیں۔(https://shamela.ws/index.php/author/1318)

[1] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، دار الصابوني للطباعة والنشر والتوزيع، القاهرة، الطبعة: الأولى، 1417 هـ، ج:2، ص:200

[2] بھٹوی، حافظ عبدالسلام، **تفسیر القرآن الکریم**، ج: ۲، ص: ۶۰۰

﴿وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَٰهِيمُ رَبِّ ٱجۡعَلۡ هَٰذَا ٱلۡبَلَدَ ءَامِنٗا وَٱجۡنُبۡنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعۡبُدَ ٱلۡأَصۡنَامَ﴾[1]

''اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھنا۔''

دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''وباعدني يا رب وبني من عبادة الأصنام، واجعل عبادتنا خالصة لك على منهج التوحيد. وهذا دليل على أنه ينبغي لكل داع أن يدعو لنفسه ولوالديه ولذريته''[2]

''ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے یہ دعا فرمائی کہ اللہ ان سب کو بت پرستی سے دور رکھے اور ان کی عبادت کو خالص توحید پر مبنی بنادے۔ اور اس آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایک داعی دین کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے اور اپنی اولاد اور والدین کے لیے دعا کرے۔''

دعا ہی وہ اہم ذریعہ ہے جس سے کسی بھی انسان کا دل دین کی طرف راغب ہو سکتا ہے کیونکہ دل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

عن أنس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ))[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جیسا چاہتا ہے انہیں الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔''

اللہ کی طرف سے جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے حق میں دعا فرمائی کہ ان کو بھی اس کام میں موسیٰ علیہ السلام کے شریک کر دے تاکہ وہ مل کر اس کام کو بخوبی سرانجام دے سکیں جیسا کہ سورۃ طہ میں آتا ہے:

﴿وَٱجۡعَل لِّي وَزِيرٗا مِّنۡ أَهۡلِي هَٰرُونَ أَخِي ٱشۡدُدۡ بِهِۦٓ أَزۡرِي وَأَشۡرِكۡهُ فِيٓ أَمۡرِي كَيۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيرٗا وَنَذۡكُرَكَ كَثِيرًا﴾[4]

''اور میرا وزیر میرے گھر والوں میں سے بنادے، میرے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو۔ تو اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں کثرت سے تجھے یاد کریں۔''

---

[1] إبراهيم:35

[2] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج** ، ج:13، ص:261

[3] الترمذي، محمد بن عيسى، **السنن**، دار الغرب الإسلامي بيروت، أبواب القدر، باب ما جاء أن القلوب بين أصبعي الرحمن، ج: 4، ص:16، ح:2140 صححه الألباني في كتابه صحيح الجامع، ح:1685

[4] طه:29-34

امام قشیری رحمہ اللہ* ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''سأل أن يصحب أخاه معه، ولما ذهب لسماع كلام الله حين قال تعالى: «وواعدنا موسى ثلاثين ليلة» كان بمفرده، لأن الذهاب إلى الخلق يوجب الوحشة فطلب من أخيه الصحبة ليخفف عليه كلفة المشقة''[1]

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے کلام کے لیے کوہِ طور پر گئے تھے تو وہاں ان کے ساتھ ہارون علیہ السلام نہیں تھے لیکن جب فرعون سے ہم کلام ہونا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کا ساتھ بھی مانگا کیونکہ مخلوق کی طرف جانے میں انسان کو وحشت کا احساس ہوتا ہے تو اپنے بھائی کی صحبت سے وہ اس مشقت کو کم کرنا چاہتے تھے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک داعی دین کے ساتھ اس کے گھر میں سے کسی کا بھی تعاون شامل ہو جائے تو اس کے لیے دعوتِ دین کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں سے اس بات کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ داعی دین کو اپنے گھر سے آغاز کرنا چاہیے۔

عصرِ حاضر میں عمومی طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ نماز کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک ہی گھر کے افراد میں سے کچھ نماز کے پابند ہوتے ہیں جبکہ کچھ نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ والدین اس معاملے میں سختی بھی کرتے ہیں لیکن اولاد بہت کم ہی نماز کی طرف آتی ہے۔ لہٰذا اولاد کو صرف نماز کی ترغیب ہی نہیں دینی چاہیے بلکہ ساتھ ان کے لیے دعا کرنا بھی ضروری ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل کو نماز کا پابند بننے کی دعا درج ذیل الفاظ کے ساتھ فرمائی:

﴿رَبِّ ٱجْعَلْنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾[2]

''اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنادے اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔''

امام صابونی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''هذه هي الدعوة السادسة من دعوات الخليل عليه السلام أي يا رب اجعلني ممن حافظ على الصلاة واجعل من ذريتي من يقيمها أيضاً، وهذه خير دعوةٍ يدعوها المؤمن لأولاده فلا أحبَّ له من أن يكون مقيماً للصلاة هو وذريته لأنهما عماد الدين''[3]

---

*امام قشیری رحمہ اللہ کا نام عبدالکریم بن ھوازن بن عبدالملک ابن طلحہ النیسابوری القشیری تھا۔ آپ کی پیدائش 376ھ میں اور وفات 465ھ میں ہوئی۔ نیشابور میں پیدا ہوئے اور وہیں پر وفات پائی۔ اپنے زمانے میں خراسان کے شیخ مانے جاتے تھے۔ سلطان الب ارسلان ان کی کافی عزت و تکریم کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں التیسیر فی التفسیر اور لطائف الاشارات شامل ہیں۔ (الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، ج:4، ص: 56)

[1] القشيري، عبد الكريم بن هوازن، **لطائف الإشارات**، الهيئة المصرية العامة للكتاب، مصر، الطبعة الثالثة، ج:2، ص:454

[2] إبراهيم:40

[3] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:2، ص:93

ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں سے یہ چھٹی دعا تھی کہ اے میرے رب مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو نماز کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں اور میری اولاد کو بھی نماز قائم کرنے والا بنادے۔ یہ دعا ایک مومن کی سب سے بہترین دعا ہے جو وہ اپنی اولاد کے لیے مانگتا ہے کیونکہ اسے اس بات سے زیادہ کچھ بھی محبوب نہیں کہ وہ اور اس کی اولاد نماز قائم کرنے والے ہوں کیونکہ نماز دین کا ستون ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی آنے والی نسل کے لیے بھی دعا کی کہ وہ نماز قائم کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

۵۔ صالح اولاد کے حصول کی دعا کرنا:

انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ اسلوب تھا کہ وہ جب بھی حصولِ اولاد کی دعا مانگتے تھے تو وہ صرف اولاد نہیں مانگتے تھے بلکہ نیک اور صالح اولاد کی دعا مانگتے تھے۔ قرآن مجید میں زکریا علیہ السلام کا تذکرہ آتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درج ذیل الفاظ میں نیک اولاد کی دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ هَبۡ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾[1]

"(زکریا علیہ السلام نے) کہا کہ اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔"

امام صابونی رحمہ اللہ اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ومعنى طيبة صالحة مباركة[2] یعنی طیب اولاد کا معنی ہے کہ اولاد نیک اور بابرکت ہو۔

ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے صالح اولاد مانگی، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿رَبِّ هَبۡ لِي مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾[3]

"اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما۔"

تفسیر القاسمی میں صالح اولاد کا معنی بیان کیا گیا ہے: ولدا صالحا يعينني على الدعوة والطاعة[4] یعنی نیک اولاد ایسی جو دعوتِ دین اور اطاعت کے کاموں میں مددگار ہو۔

---

[1] آل عمران:38

[2] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:1، ص:181

[3] الصافات:100

[4] القاسمي، محمد جمال الدين، **محاسن التأويل**، دار الكتب العلميه بيروت، الطبعة الأولى، 1418 هـ، ج:8، ص:217

یہ دعا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑتے وقت مانگی تھی۔ لہٰذا امام صابونی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: {رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصالحين} أي ارزقني ولداً من الصالحين يؤنسني في غُربتي[1] کہ ایسی نیک اولاد ہو جو میری تنہائی میں میرے لیے انسیت کا باعث ہو۔

یعنی نیک اولاد اپنے والدین کے لیے انسیت اور راحت کا باعث ہوتی ہے۔ وہ والدین کو مشکل حالات میں تنہا نہیں چھوڑتی بلکہ ان کے لیے دل وان سے حاضر رہتی ہے اور یہی ایک نیک اور اچھے گھرانے کی پہچان ہوتی ہے۔

زکریا علیہ السلام نے بھی جب اللہ تعالیٰ سے اولاد کے حصول کی دعا مانگی تو ساتھ یہ بھی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسا بندہ بنائے جو اسکی بارگاہ میں بھی پسندیدہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کا تابع و فرمانبردار بندہ ہو جیسا کہ سورۃ مریم میں آتا ہے:

﴿وَٱجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيّٗا﴾[2]

''اور یارب! اسے ایسا بنائیے جو خود آپ کا پسندیدہ ہو۔''

نیک اولاد کے حصول کے لیے دعا بھی ضروری ہے اور اولاد کے حصول کے بعد بھی ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ﴾[3]

''اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا، اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما۔''

اولاد کو باادب اور نیک بنانے کے لیے دعا کے کچھ الفاظ یہ بھی ہیں جو فضیل بن عیاض رحمہ اللہ* اپنے بیٹے کے لیے مانگا کرتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّيْ اجْتَهَدْتُ أَنْ أُؤَدِّبَ ابْنِي، فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَى تَأْدِيْبِهِ، فَأَدِّبْهُ أَنْتَ لِي[4] اے اللہ! میں نے اپنے بیٹے کو ادب سکھانے اور تربیت دینے کی بہت کوشش کی مگر میں اس کو ادب نہیں سکھا سکا، اے اللہ! تو میرے لیے اس کو مؤدب بنادے۔

---

[1] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:3، ص:36

[2] مريم:6

[3] إبراهيم:40

*فضیل بن عیاض تبع تابعین میں سے تھے۔ آپ کی پیدائش سمرقند میں ہوئی مگر خراسان میں ظاہری علوم حاصل کرنے کی غرض سے اپنا بیشتر وقت گزارا۔ تفسیر اور حدیث کے علوم میں امام کے مقام تک پہنچے۔۔ ابراہیم بن اشعث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فضیل کے دل میں اللہ کی اتنی عظمت تھی کہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا یا وہ قرآن کی کوئی آیت سن لیتے تھے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور اس طرح روتے تھے کہ دیکھنے والوں کو ان پر رحم آنے لگتا تھا۔

[4] الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله، **سير أعلام النبلاء**، دار الحديث، القاهرة، 1427هـ، ج:7، ص:408

٦۔آخری حد تک اولاد کے دین کی فکر کرنا:

عصرِ حاضر میں عمومی طور پر والدین اس بات کی فکر زیادہ کرتے ہیں کہ اولاد دنیوی اعتبار سے کامیاب ہو جائے۔ ان کی نوکری اچھی ہو، گھر گاڑی بہترین ہو لیکن دوسری طرف اولاد کے دین کی فکر نہیں کرتے۔ ان کے عقائد سے متعلق جاننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اولاد کی دنیا سے زیادہ دین کی فکر کرتے تھے یہاں تک کہ مرتے وقت وصیت بھی اسی بات کی کرتے تھے کہ توحید پر قائم رہنا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں آتا ہے:

﴿وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبۡرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعۡقُوبُ يَٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِيۖ قَالُواْ نَعۡبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ إِلَٰهٗا وَٰحِدٗا وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ﴾[1]

''اس کی تاکید ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو چن لیا ہے، لہٰذا تم مسلمان ہی مرنا۔ کیا یعقوب کی وفات کے وقت تم وہاں حاضر تھے؟ جب انہوں نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ تو سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے آباؤاجداد ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی جو ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔''

دکتور وھبہ الزحیلیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ولقد أراد إبراهيم الخير لذريته، فأوصاهم بالملة الحنيفية، وكذلك فعل يعقوب عليهما السلام، وقالا لهم: إن الله اختار لكم هذا الدين– دين الإسلام، الذي لا يتقبل الله سواه، فاثبتوا على الإسلام لله، ولا تفارقوه، حتى لا تفاجأكم المنية، وأنتم على غير الدين الحق الذي اصطفاه لكم ربكم''[2]

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے خیر کا ارادہ کیا اسی لیے ان کو دین حنیف کی پیروی کرنے کی وصیت کی اور یہی وصیت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو کی، کہ اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب فرمالیا ہے اس لیے مرتے دم تک اسی دین پر قائم رہنا، اس پر ثابت قدمی اختیار کرنا اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو جانا۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ* فرماتے ہیں کہ انبیاء اور عام انسانوں کی سوچ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ ایک عام انسان کی نظر میں نعمت اور دولت اس دنیا کی فانی اور حقیر چیزیں ہیں جبکہ انبیاء کی نظر میں اصل دولت اور نعمت ایمان اور

---

[1] البقرة:132-133

[2] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:1، ص:318

*مفتی محمد شفیعؒ کے والد کا نام مولانا محمد یاسین تھا۔ آپ کا آبائی وطن دیوبند ہے جو ضلع سہارنپور، یوپی میں برصغیر کا مشہور ترین قصبہ ہے۔ آپ دیوبند میں ۲۰، ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ کی درمیانی شب بمطابق جنوری ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا محمد یاسین حافظِ قرآن اور عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے۔ بچپن سے وفات تک دارالعلوم دیوبند ہی میں زندگی گزاری۔ آپ کی عادت تھی کہ جب بھی موقع ملتا، اپنے والد کے ساتھ

عملِ صالح ہے۔ جس طرح عام انسان اپنی موت کے وقت یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد کے پاس دنیاوی ہر نعمت موجود ہو ،اچھا بینک بیلنس، گھر، گاڑی، ایک اچھا عہدہ ہو یا اس کی اولاد فیکٹریوں کی مالک ہو۔اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ اصلی اور لازوال نعمت سمجھتے ہیں وہ ان کی اولاد کو پوری پوری مل جائے۔اس کے لیے وہ دعائیں بھی کرتے ہیں اور کوششیں بھی اور آخری وقت میں وصیت بھی اسی کی کرتے ہیں۔ [1]

انبیاء کے اس طرزِ عمل میں عام انسانوں کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ وہ جس طرح اپنی اولاد کی دنیوی آسائشوں کے لیے فکر مند ہوتے ہیں اس سے زیادہ ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اولاد کی عملی اور اخلاقی تربیت بھی کریں۔ان کو برے راستوں پر چلنے سے روکیں۔اولاد سے سچی محبت اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان کی آخرت کی فکر زیادہ کی جائے۔انبیاء کے طرزِ عمل سے ایک اور اصولی بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اولاد کا حق ہے کہ سب سے پہلے ان کی اصلاح کی فکر کی جائے ان کے بعد دوسروں کی طرف توجہ کی جائے۔ [2]

اس میں کچھ حکمتیں بھی ہیں مثلاً:

۱۔اولاد کا اپنے والدین سے طبعی تعلق ہونے کی وجہ سے وہ نصیحت کا اثر زیادہ جلدی قبول کر سکیں گے اور پھر اشاعتِ دین میں اپنے والدین کے مددگار بھی بن سکیں گے۔

۲۔اشاعتِ حق کا یہ سب سے زیادہ آسان اور مفید راستہ ہے کہ ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے گھر والوں کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش میں لگ جائے۔اس طرح تربیت و اصلاح کا دائرہ عمل سمٹ کر صرف گھروں کے ذمہ داروں تک آجاتا ہے۔ان کو سکھلانا پوری قوم کو سکھانے کے ہم معنی ہو جاتا ہے۔اسی لیے قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا﴾ [3]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔"

عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی پھیلنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ والدین اگرچہ خود دیندار بھی ہوں لیکن وہ اپنی اولاد کے دین کی فکر نہیں کرتے۔

اکابر علماء وصلحاء کی بابرکت مجلسوں میں جا بیٹھتے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی مجلس میں حاضری اکثر ہوا کرتی تھی۔(محمد اویس سرور، اسلاف امت کا بچپن، لاہور، بیت العلوم لاہور ۲۰۰۹ء، ص: ۲۴۴، ۲۴۳)

1 شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:۱، ص:۳۴۹

2 شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:۱، ص:۳۵۰

3 التحریم: 6

نوح علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے آخری وقت تک اپنے بیٹے کو بچانے کی کوشش کی جیسا کہ سورۃ ھود میں مذکور ہے:

﴿وَنَادَىٰ نُوحٌ ٱبۡنَهُۥ وَكَانَ فِي مَعۡزِلٖ يَٰبُنَيَّ ٱرۡكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ ٱلۡكَٰفِرِينَ قَالَ سَـَٔاوِيٓ إِلَىٰ جَبَلٖ يَعۡصِمُنِي مِنَ ٱلۡمَآءِۚ قَالَ لَا عَاصِمَ ٱلۡيَوۡمَ مِنۡ أَمۡرِ ٱللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَۚ وَحَالَ بَيۡنَهُمَا ٱلۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ ٱلۡمُغۡرَقِينَ﴾[1]

''اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو پکار کر کہا کہ اے میرے پیارے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ رہو، تو اس نے جواب دیا کہ میں تو کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا، نوح (علیہ السلام) نے کہا کہ آج اللہ کے حکم سے بچانے والا کوئی نہیں ہے، صرف وہی بچیں گے جن پر اللہ کا رحم ہو۔ اسی وقت ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔''

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ* اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''یبنی ارکب معنا ولا تکن مع الکافرین'' اس پکار میں شفقت اور دعوت دونوں کی روح موجود ہے۔ باپ کی طرف سے بیٹے کے لیے نہایت پیار کا خطاب ہے اور '' ولا تکن مع الکافرین '' میں گویا آخری دعوت ہے کہ اب بھی موقع ہے کہ ان کافروں کا ساتھ چھوڑ کر ہم میں شامل ہو جاؤ۔[2]

نوح علیہ السلام نے آخری وقت تک اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ اس کو عذاب میں گھرا ہوا دیکھ کر ان سے رہا نہیں گیا اور نہایت شفقت کے جذبہ کے ساتھ بیٹے کو ایمان لانے کی تلقین کی لیکن بیٹا پھر بھی ایمان نہ لایا۔ جب بیٹا

---

[1] ھود: 42-43

*مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ اعظم گڑھ شہر سے پورب میں واقع ایک گاؤں ''بمھور'' کے متوسط زمیندار گھرانے میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد حافظ محمد مرتضےٰ صاحب ایک دیندار، متبعِ سنت اور تہجد گزار شخص تھے، وہ اپنے فرزند کو دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے، اپنی اس تمنا کا ذکر انھوں نے اپنے ہم وطن دوست مولانا شبلی متکلم ندوی سے کیا جو علامہ شبلیؒ کے عزیز شاگرد اور مدرستہ الاصلاح سرائے میر کے منصبِ اہتمام پر فائز تھے۔ انھوں نے اسی مدرسہ میں مولانا امین احسن صاحب کا داخلہ کرادیا، جہاں انھوں نے ان سے اور دوسرے اساتذہ سے دینی علوم کی تحصیل کی، ان کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں سب سے زیادہ فیض مولانا عبدالرحمن نگرامی ندوی سے پہنچا۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے فخر و امتیاز کے لیے یہ کافی ہے کہ انھیں مولانا فراہیؒ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ قرآنیات اور عربی زبان و ادب ہی کے متبحر عالم نہ تھے بلکہ اکثر دینی اور جدید علوم پر بھی ان کی اچھی اور مجتہدانہ نظر تھی۔ اپنے استاذ علامہ فراہی سے قرآن مجید، ادب عربی اور نحو و بلاغت کے علاوہ فلسفۂ جدیدہ کی بھی تحصیل کی تھی۔ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کی وفات ۱۶ دسمبر ۱۹۹۷ میں ہوئی۔(https://tocs.asianindexing.com/chapter.php?id=1676046599977_54338373&title=%D9%85%D9%88%D9%84%D8%A7%D9%86%D8%A7+%D8%A7%D9%85%DB%8C%D9%86+%D8%A7%D8%AD%D8%B3%D9%86+%D8%A7%D8%B5%D9%84%D8%A7%D8%AD%DB%8C&q=)

[2] اصلاحی، امین احسن، **تدبر قرآن**، فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1430ھ، ج: 4، ص: 143

طوفان میں غرق ہو گیا تو اس کے بعد بھی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے متعلق فریاد کی کہ کسی طرح بیٹے کی نجات ہو جائے۔

خاندان کی اصلاح ایک مسلسل عمل ہے:

زیر بحث فصل میں پہلے اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ خاندان کی اصلاح میں انبیائے کرام علیہم السلام نے کیسا اسلوب اختیار کیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ سب لوگ ہی راہِ راست پر آجائیں؟ انبیاء کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندان کی اصلاح ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ گھر کے سب افراد ہماری بات کو تسلیم کریں۔ مثلاً نوح علیہ السلام کے واقعہ سے پتہ چلا کہ ان کا بیٹا آخری وقت تک ان پر ایمان نہ لایا یہاں تک کہ وہ بھی دیگر کفار کے ساتھ طوفان میں غرق ہو گیا۔

نوح علیہ السلام کے بیٹے کے علاوہ ان کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی تھی اور اس کا انجام بھی کفار کے ساتھ ہی ہوا۔ نوح علیہ السلام کی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی۔ ان دونوں کا ذکر قرآن مجید میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

﴿ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱمْرَأَتَ نُوحٍ وَٱمْرَأَتَ لُوطٍۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَٰلِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا وَقِيلَ ٱدْخُلَا ٱلنَّارَ مَعَ ٱلدَّٰخِلِينَ﴾[1]

''اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نوح اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کی مثال دی ہے۔ یہ دونوں نیک اور فرمانبردار بندوں کے گھروں میں تھیں، لیکن انہوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی۔ نتیجتاً، نہ تو نوح علیہ السلام اور نہ ہی لوط علیہ السلام ان سے اللہ کے عذاب کو روک سکے، اور اللہ کا حکم آ گیا کہ تم دونوں بھی دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے اہلِ خانہ تک دین کی تعلیمات پہنچائی لیکن آپ کے اپنے خاندان کے لوگوں کی طرف سے بھی آپ کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جیسا کہ آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کا ذکر قرآن مجید میں بھی موجود ہے کہ ابو لہب اور اس کی بیوی نے نبی کریم ﷺ کی شدید مخالفت کی اور انہیں اذیت بھی پہنچائی۔ ان کے بارے میں قرآن مجید میں سورۃ المسد کے نام سے سورت نازل ہوئی جس میں ان دونوں کا انجام بتایا گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ انسان کا اختیار صرف کوشش کی حد تک ہے۔ ہدایت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ انسان کبھی بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ صرف کوشش اور دعا کر سکتا ہے۔

---

[1] التحریم: 10

خلاصہ:

قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں خاندان کی اصلاح و تربیت کے حوالے سے انبیاء علیہم السلام کا جو اسلوب واضح ہوتا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اصلاحِ خاندان کے لیے ضروری ہے کہ انسان پہلے خود علم حاصل کرے اور اس میں پختگی اختیار کرے۔ وہ اس علم سے متعلق شبہات کا شکار نہ ہو۔ جب علم پختہ ہو گا تو وہ مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکے گا۔

۲۔ علم کے حصول کے بعد انسان کو سب سے پہلے خود با عمل بننا چاہیے۔ جب ایک داعی دین اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو گا تو اس کے ارد گرد کے لوگ بھی اس سے متاثر ہوں گے اور راہِ راست پر آنے کی خواہش کریں گے۔

۳۔ تربیت واصلاح کے لیے انسان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ ہونا نہایت اہم ہے۔ دل سے دوسرے انسان کے لیے فکر مندی کا اظہار کرے۔

۴۔ جب ایک داعی دین اپنے گھر میں کسی کے اندر کوئی برائی دیکھے یا اس کو کسی غلط کام میں ملوث پائے تو اسے برا بھلا نہ کہے بلکہ اس کام کی برائی اس کے سامنے پیش کرے تاکہ اسے خود اس بات کا احساس ہو کہ وہ غلط کام کر رہا ہے اور اسے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔

۵۔ اپنے اہل و عیال کو راہِ راست پر لانے کے لیے اور اس راستے پر ان کی استقامت کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ انسان ان کے لیے دعا کرے کیونکہ دلوں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو بھی راہِ راست کی ہدایت دے سکتا ہے لہٰذا اپنی کوشش جاری رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ یہی انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ تھا۔

٦۔ انبیاء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جب اللہ تعالیٰ سے اولاد کے حصول کی دعا کرتے تھے تو صرف اولاد نہیں مانگتے تھے بلکہ نیک اور صالح اولاد کی دعا کرتے تھے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کے حصول کی دعا کرے۔

۷۔ والدین اپنی اولاد کی صرف دنیاوی ترقی کی فکر نہ کریں بلکہ ان کے دین کی بھی فکر کریں۔ اس بات کی بھی فکر کریں کہ ان کی اولاد کے عقائد درست ہوں اور وہ اللہ کے فرمانبردار رہوں۔

باب سوم

افرادِ خاندان کی فکری اور اخلاقی اصلاح میں انبیاء کی سنت

فصل اول: فکری اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

فصل دوم: فکر و عقیدہ کے انسانی زندگی پر اثرات

فصل سوم: اخلاقی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

فصل اول

فکری اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

فکر کا لغوی مفہوم:

فکر کا لفظ مصدر ہے اور یہ نصر ینصر کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے سوچنا اور غور و فکر کرنا۔ اسی طرح فکر کا لفظ فَعَّلَ یفعِّلُ کے وزن پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ فَکرَ فِیْہِ کا معنی ہوتا ہے اس نے اس معاملے میں خوب سوچ و بچار کی۔ لفظ فکر تَفَعَّلَ کے وزن پر بھی استعمال ہوتا ہے اور تفکر کا معنی ہے کہ اس نے خوب غور و فکر کیا اور غور و فکر میں تکلف سے کام لیا۔ جو شخص بہت زیادہ سوچ بچار کرنے والا ہو اس کو عربی میں فِکیر یعنی بہت سوچ و بچار کرنے والا کہا جاتا ہے۔ [1]

صاحب المنجد نے فکر کا معنی سوچ بچار کرنا، تامل کرنا بیان کیا ہے۔ تفکر فی الامر کا معنی ہوتا ہے کسی معاملے کے بارے میں سوچنا، غور کرنا۔ جب کسی معاملہ میں غور و فکر کی ضرورت نہ ہو تو کہا جاتا ہے ''مَا لِی فِی الْاَمْرِ فِکرًا''۔ اور اگر کوئی معاملہ غور طلب ہو تو کہا جاتا ہے '' لِی فِی الْاَمْرِ فِکرًا'' [2]

لغوی اعتبار سے فکر انسان کی سوچ اور خیال کا نام ہے۔ لیکن اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ذہنی صلاحیت اور خارجی عوامل کے مطابق اس کی صورت مختلف ہو سکتی ہے۔ ذہنی صلاحیت کے مطابق انسان کی فکر کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی، درست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے۔

فکر کا اصطلاحی مفہوم:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ* نے فکر کی تعریف اس طرح بیان کی ہے: ''الفكرة: قوة مطرقة للعلم إلى المعلوم، والتفكر: جولان تلك القوة بحسب نظر العقل، وذلك للإنسان دون الحيوان'' [3]

بے شک، فکر وہ قوت ہے جو علم کو کسی مخصوص مقصد یا معلوم کی طرف لے جاتی ہے، اور اس سے انسان کو درست اور گہرائی سے سمجھنے کی صلاحیت ملتی ہے۔ تفکر کا مطلب یہ ہے کہ عقل اور شعور کو استعمال کرتے ہوئے اس قوت میں مزید تیزی اور

---

[1] الزبیدی، محمود مرتضیٰ حسینی، تاج العروس، دار الفکر، بیروت، 1994ھ، ج:7، ص:359-369

[2] الیسوعی، لویس معلوف، المنجد، دار الفکر، بیروت، 1931ھ، ص:624

*علامہ راغب اصفہانی مشہور فقیہ اور مفسر تھے۔ ان کا پورا نام حسین بن محمد بن مفضل ہے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے جس کی نسبت سے امام راغب اصفہانی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی تصانیف میں المفردات فی غریب القرآن، حل تشابہات القرآن، محاضرات الادباء، تفصیل النشأتین، الذریعہ الی مکارم الاخلاق شامل ہیں۔ (الزركلي، خير الدين بن محمود، الأعلام، ج:2، ص: 255)

[3] الأصفهاني، أبو القاسم الحسين، المفردات في غريب القرآن، دار القلم بيروت، الطبعة: الأولى، 1412 هـ، ص:643

گہرائی پیدا کی جائے تاکہ ہم چیزوں کی اصل حقیقت کو جان سکیں۔ غور و فکر کی یہ صلاحیت صرف انسان کو ودیعت کی گئی ہے، جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز بناتی ہے۔

فکر کو اس طرح سے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ: الفکر مفتاح المعرفة والکشف [1]**۔ یعنی فکر معرفت اور دریافت کی کلید ہے۔**

انسان جب کسی چیز پر غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچتا ہے تو وہ اس کی فکر کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں وہ نتیجہ پختہ ہو جاتا ہے اور اسی سوچ کے مطابق انسان اپنی زندگی گزارتا ہے۔ انسان کا عمل اس کی فکر کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جس طرح انسان کی فکر ہو گی ویسا ہی اس کا عمل ہو گا۔ مثلاً ایک انسان نماز میں اللہ اکبر پڑھتا ہے لیکن اس کو اللہ اکبر کا معنی نہیں معلوم تو اس کی نماز کا اثر اس کی روزمرہ کی زندگی میں نظر نہیں آئے گا لیکن جس انسان کو اللہ اکبر کے معنی کا علم ہو گا اس کی نماز کا اثر اس کے روزمرہ کے معاملات میں اور لوگوں کے ساتھ پیش آنے میں واضح طور پر نظر آئے گا کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کو ہی سب سے بڑا مانتا ہے۔

اسلامی فکر کیا ہے؟

فکرِ اسلامی کی تعریف اس طرح سے بیان کی جاتی ہے کہ:

"اسلامی فکر و ثقافت کو اس شعوری طرزِ عمل اور رویے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو توحید کے نتیجے میں وحدتِ انسانیت، وحدتِ کائنات اور کائنات پر اللہ تعالیٰ کی مکمل حاکمیت و ربوبیت کے اقرار کے ساتھ فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کی اصل بنیاد نیکی، تقویٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قرار دیتا ہو۔"[2]

فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید میں فکر سے متعلق ایک بنیادی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے کہ: بنیادی طور پر تمام مذاہبِ عالم کے دو ادوار ہوتے ہیں۔ ایک تو مذہب کے بانی کا دور ہوتا ہے اس کو تاسیسی دور کہا جاتا ہے جس میں وہ اپنا پیغام پہنچاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ دوسرا اس مذہب کا تشریحی دور ہوتا ہے جس میں اس مذہب کے ماننے والے بانی مذہب کے پیغام کی تشریحات و تاویلات کرتے ہیں۔ یہ سب سے پیچیدہ اور نازک دور ہوتا ہے اور اس میں مذہب کی مختلف تاویلات اور تشریحات ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی مذہب کے اندر مختلف مدرسہائے فکر پیدا ہونے لگتے ہیں۔[3]

---

[1] الغزالي، أبو حامد، **إحياء علوم الدين**، دار المعرفة – بيروت، ج:1، ص:336

[2] ڈاکٹر انیس احمد، **اسلامی فکر و ثقافت کی قرآنی بنیادیں**، ترجمان القرآن، ۲۰۰۹، ص:۱

[3] جعفری، سید حسین، **فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید**، پاکستان سٹڈی سنٹر، کراچی، ۱۹۸۸، ص:۱۷

فکر اسلامی اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر مبنی فکر ہے۔ کسی انسانی نظریے کی بنیاد پر فکرِ اسلامی وجود میں نہیں آسکتی۔ فکرِ اسلامی کو وہی شخص سمجھ سکتا اور عمل کر سکتا ہے جسے قرآن وسنت کی تعلیمات کا علم ہو۔ یہ وہ فکر ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ایک تسلسل کے ساتھ پہنچی ہے۔ تمام انبیاء نے اپنی امت کو توحید کا سبق پڑھایا۔ انسان کی زندگی میں جب عقیدہ توحید راسخ ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے۔ اس کے ہر کام کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا بن جاتا ہے۔ اس کے ذمہ جو بھی کام لگایا جائے وہ اس کام کو احسن انداز میں کرتا ہے، بندوں کے ساتھ بھی اس کا معاملہ احسان کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ میرے اوپر بھی ایک ذات نگران ہے جو کہ بدلہ لینے کا پورا اختیار رکھتا ہے اور اسے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہے۔ یہی وہ فکر ہے جو عصرِ حاضر میں ایک داعی دین کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اہلِ خانہ میں راسخ کرے۔ کیونکہ ایک فرد کی اصلاح ہی اصلاحِ معاشرہ کی بنیاد بنتا ہے۔ جب ہر داعی دین اپنے اہلِ خانہ کی فکری اصلاح کرے گا تو معاشرے کی اصلاح کا عمل بھی وجود میں آئے گا۔

فکری اصلاح سے متعلق انبیاء کی تعلیمات:

دین اسلام پر استقامت اختیار کرنے کے لیے انسان کو ایک دینی ماحول میسر ہونا چاہیے۔ اگر اس کے ارد گرد افراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں میں ملوث ہوں گے تو انسان کے لیے خود بھی دین پر قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔ عصرِ حاضر میں خاندان کی فکری اصلاح انتہائی ناگزیر ہے کیونکہ چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا فتنہ الحاد اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط عقائد ہیں۔ خاندان کی دیگر معاملات میں اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب ان کی فکری اصلاح کو عمل میں لایا جائے۔ اس سلسلے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی اپنے خاندان کی فکری اصلاح سے متعلق قرآن مجید میں موجود اہم نکات درج ذیل ہیں:

ا۔ عقیدہ توحید پر پختگی اختیار کرنا:

انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی فکری اصلاح میں سب سے پہلے اس بات کی تعلیم دی کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ بنائیں۔ سورۃ البقرۃ میں اس بات کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

﴿وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبۡرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعۡقُوبُ يَٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ﴾[1]

---

[1] البقرۃ:132

''اس کی تاکید ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ اے بیٹوں! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو چن لیا ہے، لہٰذا تمہیں اسلام کی حالت میں ہی موت آئے۔''

امام صابونی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ {فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُم مُّسْلِمُونَ} أي اثبتوا على الإسلام حتى يدرككم الموت وأنتم متمسكون به[1]

یعنی اسلام کی حالت میں موت آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پوری زندگی دین اسلام کو اس قدر مضبوطی سے تھامے رہیں کہ موت بھی اسی حالت میں آئے کہ وہ اس دین پر قائم ہوں۔

تفسیر المنار میں اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے: ''(فلا تموتن إلا وأنتم مسلمون) أي فحافظوا على الإسلام لله والإخلاص في الانقياد إليه بحيث لا تتركوا ذلك لحظة واحدة لئلا تموتوا فيها فتموتوا غير مسلمين، فإن الإنسان لا يضمن حياته بين الشهيق والزفير''[2]

یعنی اسلام کی حالت میں فوت ہونے کا مطلب ہے کہ اللہ کے لیے اسلام پر قائم رہو اور اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو اس طرح کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی اطاعت ترک نہ کرو کیونکہ اگر انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے کہ کب اسے موت آجائے اور اگر اسے ایسے لمحے میں موت آجاتی ہے جب وہ اسلام پر قائم ہی نہیں رہا تھا تو وہ غیر مسلم کی حیثیت سے فوت ہوگا۔

یعقوب علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت بیٹوں سے یہ سوال بھی پوچھا تھا کہ وہ ان کی وفات کے بعد کس کی بندگی کریں گے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں آتا ہے:

﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِي﴾[3]

''کیا (حضرت) یعقوب کی وفات کے وقت تم وہاں حاضر تھے؟ جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟''

سید قطب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: إن هذا المشهد بين يعقوب وبنيه في لحظة الموت والاحتضار لمشهد عظيم الدلالة، قوي الإيحاء، عميق التأثير.. ميت يحتضر. فما هي القضية التي تشغل باله في ساعة الاحتضار؟ ما هو الشاغل الذي يعني خاطره وهو في سكرات الموت؟ ما هو الأمر الجلل الذي يريد أن يطمئن عليه ويستوثق منه؟ ما هي التركة التي يريد أن يخلفها لأبنائه ويحرص على سلامة وصولها إليهم فيسلمها لهم في محضر، يسجل فيه كل التفصيلات؟ إنها العقيدة.. هي التركة وهي الذخر وهي القضية الكبرى وهي الشغل الشاغل وهي الأمر الجلل الذي لا تشغل عنه سكرات الموت و صرعاته[4]

---

[1] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:1، ص:85

[2] محمد رشيد بن علي رضا، **تفسير المنار**، الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1990 م، ج:1، ص:391

[3] البقرة:133

[4] سيد قطب، **في ظلال القرآن**، ج: 1، ص:116

وفات کے وقت یعقوب علیہ السلام اوران کے بیٹوں کا یہ منظر ایک نہایت ہی نصیحت آموز ہے۔ایک شخص جو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ایسے لمحات میں بھی اس کے دل ودماغ پر کیا چیز غالب ہے؟ وہ کون سی دلچسپ بات ہے جس میں ان کا دل ودماغ مشغول ہے حالانکہ ان کی زندگی کے آخری کچھ لمحات ہیں۔ وہ اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑ کر جارہے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ وہ اس ترکہ کی حفاظت بھی کریں اور وہ اپنی آخری سانسوں میں اسے اولاد کے حوالے کررہے ہیں۔ یہ عقیدے کا ترکہ اور پوری زندگی گزارنے کا ایک باضابطہ اصول ہے۔یہی وہ دولت ہے جسے وہ بیٹوں کے حوالے کرتے ہیں اور یہی وہ اہم مسئلہ ہے جس میں وہ بے حد دلچسپی لے رہے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے خاندان کی فکری اصلاح کے لیے کس حد تک فکرمند تھے کہ موت کے وقت بھی ان کو صرف اس بات کی فکر تھی کہ ان کی اولاد کسی اور دین کی پیروی نہ شروع کردے بلکہ آخری دم تک اسلام ہی پر قائم رہیں۔ صرف ایک اللہ کی بندگی پر قائم رہیں اور ہر قسم کے شرک سے محفوظ رہیں۔

نبی کریم ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کریں تو آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان والوں کو پکارا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔اس پر نبی ﷺ کے چچا ابولہب کا سخت ردِ عمل سامنے آیا، صحیح بخاری میں آتا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : ((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الْبَطْحَاءِ، فَصَعِدَ إِلَى الْجَبَلِ فَنَادَى: يَا صَبَاحَاهْ، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ، فَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصَبِّحُكُمْ أَوْ مُمَسِّيكُمْ، أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا تَبًّا لَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ} إِلَى آخِرِهَا))[1]

ابولہب نے نبی کریم ﷺ کو جواباً یہ کہا کہ تمہاری بربادی ہو کیا صرف اس بات کے لیے تم نے ہمیں یہاں پر جمع کیا ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ اللہب نازل کی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ برباد ہوں یعنی بربادی تو ابولہب کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

عقیدے کی درستگی انتہائی ضروری ہے کیونکہ اسی پر ہماری پوری زندگی کی بنیاد ہوتی ہے۔عقیدے کی اصلاح سے متعلق کتاب ''کیف تربی ولدک''میں لکھا گیا ہے کہ:

في كل أمر من أمور الحياة يُعد هذا الهدف أهم أهداف التربية الإسلامية وكل الأهداف تنبثق منه، وقد جبل الله– عز وجل– النفوس على التوحيد ولكنها تحتاج أن تتعلم أصول الإيمان وجزيئاته، وأَصْلَحُ أوقات

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التَّفْسِيرِ، باب {تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ}، ج:6، ص:180، ح:4972

غرس العقيدة السنواتُ الأولى في حياة الطفل؛ لأنه يصغي إلى المربي بكل جوارحه، ويقبلها دون نقاش كما أن خياله الواسع يساعده على تخيل الجنّة والنار وأهوال القيامة والملائكة وعالم الجن وغيرها مما يتصور [1]

زندگی کے تمام اوامر میں سے سب سے اہم مقصد اسی کو تصور کیا جاتا ہے کہ عقیدہ درست ہو اور باقی تمام مقاصد بھی یہیں سے پھوٹتے ہیں۔ اللہ تعالی نے ہر شخص کو توحید پر ہی پیدا کیا ہے لیکن ہر انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ ایمان کے اصول اور اس کی جزئیات کو سیکھے۔ بچوں میں عقیدہ راسخ کرنے کا سب سے درست وقت ان کے بچپن کا وقت ہے کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جس میں بچہ اپنی تربیت کرنے والے کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے اور بات کو بغیر کسی بحث مباحثہ کے قبول کرتا ہے۔ اور اس وقت میں اس کا وسیع تخیل اسے جنت، جہنم، قیامت کے احوال، فرشتے، جنات اور دیگر چیزوں کو تصور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

یعنی اپنی اولاد کو بہت بچپن سے ہی درست عقیدے کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ عموماً والدین بچوں کو کوئی بھی بات اس لیے نہیں بتاتے کہ وہ سمجھتے ہیں ابھی ہماری اولاد کو ایسی باتیں سمجھ نہیں آئیں گی۔ حالانکہ بچوں کے ذہن میں بے شمار سوالات ہوتے ہیں اور ماں باپ اکثر اپنے کاموں میں مصروف ہونے کے باعث ان کے سوالات کے جواب نہیں دیتے جس سے بچے ہمیشہ شک کا ہی شکار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پھر نوجوان نسل میں الحاد بھی بڑھتا جارہا ہے۔

اولاد کے عقائد کو مختلف طریقوں سے پختہ کیا جاسکتا ہے مثلاً

1 – ترسيخ العقيدة الصحيحة عن طريق التلقين: أولُ ما يلقّن الطفل كلمة التوحيد، إذ أن السلف يعلمون الطفل في أول حياته كلمة التوحيد، ويؤذِّنون في أذنيه عند ولادته، ليكون أول ما يقرع سمعه[2]

اولاد کو سب سے پہلے توحید کا کلمہ سکھانا چاہیے۔ سلف سے یہ طریقہ ثابت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو زندگی کے شروع میں ہی توحید کا سبق پڑھا دیتے تھے اور ان کے کانوں میں اذان کا اہتمام بھی کرتے تھے تاکہ وہ اس دنیا میں آتے ہی پہلے اللہ کا نام سنیں۔

2 – ترسيخ العقيدة عن طريق تعليمه الأذكار: وليس المراد فقط أن يحفظ أذكار الأحوال والمناسبات من أكل وشرب ونوم ويقظة، بل يعلمه الدعاء وطلب الحاجة من الله، وإذا مشى في الظلام علِّمه ذكر الله والاستئناس به، والتسمية عند الفزع، والدعاء عند المرض، حتى يتعلم الاستغاثة، ويعلمه الرُّقية الشرعية والتوكل على الله وطلب الحاجة منه وحده[3]

عقیدہ راسخ کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اولاد کو دعا کرنا سکھایا جائے۔ اور دعائیں سکھانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انہیں مختلف واقعات اور حالات سے متعلق دعائیں سکھادی جائیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں یہ بتائیں اللہ سے مانگنا کیسے ہے۔ اس ذات پر توکل کیسے کرنا ہے۔ مشکل کے وقت اسے کیسے پکارنا ہے۔

---

[1] الجريبة، ليلى بنت عبد الرحمن، **كيف تربي ولدك**، الكتاب منشور على موقع وزارة الأوقاف السعودية بدون بيانات، س ن، ص:26

[2] الجريبة، ليلى بنت عبد الرحمن، **كيف تربي ولدك**، ص:26

[3] ایضاً، ص:28

3 – ترسيخ العقيدة عن طريق التدبر: بأن يلفت نظر الطفل إلى مظاهر الكون وارتباطها بالتوحيد، وهذا الربط يشعر الطفل بالتوازن النفسي، ويحس بأنه جزء من أجزاء الكون المتناسقة ويبين له أن هذا الكون بكل ما فيه يسبّح لله، ويرشده إلى التسبيح ليكون مع الركب المسبّح.

غور و فکر کے ذریعہ بھی عقیدہ کو پختہ کیا جاسکتا ہے۔ بچوں کو کائنات میں غور و فکر کرنا سکھایا جائے کیونکہ اس سے وہ نفسیاتی طور پر خود کو متوازن محسوس کرتے ہیں اور انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی کائنات کے حصوں میں سے ہی ایک حصہ ہیں۔

ان طریقوں کو اپنا کر ایک داعی اپنے خاندان کے عقائد کو درست کر سکتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے جوڑ سکتا ہے۔ ان کے ذہنوں کو مختلف سوالات کے ذریعہ سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے کہ واقعی اس کائنات کا کوئی مالک ہے اور یہ کہ ہم نے صرف اس ذات کو ماننا ہی نہیں ہے بلکہ ہر مشکل وقت میں اسی سے رجوع کرنا ہے اور خوشی کے موقع پر بھی اسے یاد رکھنا ہے۔ یعنی اسلامی تعلیمات کا علم رکھنے والے اور جن کے عقائد مضبوط ہوں ان کا سوچنے سمجھنے کا طریقہ ہی منفرد ہوتا ہے۔ وہ ہر مشکل کا حل بآسانی تلاش کر لیتے ہیں۔ اس کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ:

Islam should be the soul of family life. Islam should be reflected in the personality of every family member. Their actions need to be according to Islamic sharia and their way of thinking should be according to Islamic aqidah. But also the purpose of Islamic education is not only limited to have an Islamic personality. Educated and trained children have life skills, they can easily solve their problems on their own.[1]

ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد کو شرک سے توبہ کرنے اور توحید کی طرف آنے کی دعوت دی۔ سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے والد اور قوم سے کہا کہ یہ تم کون سے بتوں کی پوجا پاٹ میں مصروف رہتے ہو؟ قوم نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو یہی کرتے ہوئے دیکھا تھا لہٰذا ہم بھی انہی بتوں کو پوجتے ہیں۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں کہا کہ تم اور تمہارے آباؤاجداد کھلی گمراہی میں ہو اور انہیں توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے کہا کہ تمہارا رب تو وہ ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔[2]

دکتور وھبہ الزحیلی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "فأجابهم إبراهيم بعد إنكاره عبادة الأصنام بما يبين الحق، ويرشد إلى الإله المستحق للعبادة: قال: بل ربكم رب السماوات والأرض الذي فطرهن أي قال إبراهيم: إني أتكلم بالجد والحق، لا بالهزل واللعب، فإن الرب المستحق للعبادة

[1] Tubagus Chaeru Nugraha, "Sustainability of family harmony through literacy of Prophet Muhammad Family model", 146

[2] الانبیاء: 52-56

هو مالك السموات والأرض الذي خلقها وكونها وأنشأها من العدم، على غير مثال سابق، وهو الخالق لجميع الأشياء، وهو الرب الذي لا إله غيره''[1]

ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کو بتوں کی عبادت سے روکا تو قوم نے انکار کر دیا، اس پر آپ نے قوم کے لوگوں کو اس انداز سے جواب دیا کہ ان کے لیے حق واضح کر دیا اور ان کی ایسے الٰہ کی طرف رہنمائی کر دی جو واقعی عبادت کا مستحق ہے اور فرمایا کہ تمہارا رب تو وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں بالکل حق کے ساتھ کلام کر رہا ہوں، میری بات ہنسی اور کھیل کود پر مبنی نہیں ہے۔ عبادت کا مستحق تو صرف وہی رب ہے جو آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لایا ہے، وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ وہی رب ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس کی عبادت کی جائے۔

عصرِ حاضر میں نوجوان نسل کا رجحان الحاد* کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے اس اسلوبِ بیان سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک داعی دین نوجوان نسل خصوصاً اہلِ خانہ میں موجود اپنی اولاد اور نوجوان بہن بھائیوں کو اس انداز سے حق بات واضح کرے کہ انہیں حقیقی الٰہ کا تصور واضح کرے تاکہ وہ الحاد کی طرف راغب نہ ہوں اور سیدھے رستے پر قائم رہیں۔

۲۔ توکل علی اللہ:

توکل کا لفظ و ک ل سے ہے۔ وَکَلَ یکلُ وَکلاً کا معنی ہوتا ہے اللہ پر بھروسہ کرنا، فرمانبردار ہونا۔ اسی طرح وَکلَ کا معنی ہے اعتماد کی بنا پر کسی کو اپنے کام کا مختار اور وکیل بنانا۔ باب تفعل سے تَوَکلَ کا معنی ہے کسی معاملہ میں اپنے آپ کو بے بس ظاہر کر کے دوسرے پر اعتماد کرنا۔ اہلِ باطن کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے پاس کی ہر چیز پر اعتماد کرنا اور بندوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس ہو جانا۔[2]

اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کرنا اور بندوں کی طرف سے مایوس ہو جانا ہی اصل توکل ہے جس کا سبق ہمارے انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنی اولاد کو دیا۔ اللہ کی ذات پر توکل مضبوط ہونے سے انسان کا دل مطمئن رہتا ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان بھی پہنچتا ہے تو وہ انتہائی مایوسی والی کیفیت میں نہیں جاتا بلکہ اسے اللہ کی رضا سمجھ کر اس کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے لہٰذا اپنے اہلِ خانہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کو مضبوط کرنا نہایت ضروری ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو یہ بات اس انداز میں سمجھائی:

---

[1] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:17، ص:74

*الحاد کا لفظ لادینیت اور اللہ پر عدم یقین کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت تینوں آپس میں ایسے مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک عقیدہ کا انکار یا اس سے اعراض بھی باقی دو کو غیر مؤثر بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے ایک کا انکار بھی الحاد ہی کہلائے گا۔ مریم ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق الحاد ایسے عقیدہ کا نام ہے جس میں خدا کا کوئی تصور موجود نہ ہو۔ (Webster Comprehensive dictionary, Chicago Ferguson publishing company 2000, 91)

[2] قاسمی، مولانا وحید الزماں، **القاموس الوحید**، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص:1893

﴿وَمَآ أُغۡنِي عَنكُم مِّنَ ٱللَّهِ مِن شَيۡءٍۖ إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۖ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُۖ وَعَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُتَوَكِّلُونَ﴾[1]

''میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ میرا کامل بھروسہ اسی پر ہے اور ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔''

دکتور محمد علی صابونی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''{وَمَآ أُغْنِي عَنكُمْ مِّنَ الله مِن شَيْءٍ} أي لا أدفع عنكم بتدبيري شيئاً مما قضاه الله عليكم، فإن الحذَر لا يدفع القدر {إِنِ الحكم إِلاَّ للَّهِ} أي ما الحكم إلا لله جلَّ وعلا وحده لا يشاركه أحد، ولا يمانعه شيء {عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ} أي عليه وحده اعتمدت وبه وثقت {وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ المتوكلون} أي وعليه فليعتمدْ أهل التوكل والإيمان، ولْيفوضوا أمورهم إليه''[2]

''ان کے بیٹوں کے ذہن میں یہ بات ان کے والد نے بٹھادی کہ اللہ کے مقابلے میں کوئی بھی چیز انسان کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو فیصلہ کر لیا ہو اس کے مقابلے میں میری تدبیر کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ انسان جتنا بھی اپنا بچاؤ اختیار کر لے تقدیر کے فیصلوں سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم چلتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی کوئی اس کو روک سکتا ہے۔ اسی پر میں نے توکل کیا یعنی ایک اکیلے اسی پر میرا اعتماد اور یقین ہے اور اہلِ ایمان کو یہی چاہیے کہ وہ اللہ پر ہی توکل کریں اور اپنے تمام امور اسی کے سپرد کریں۔''

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نظرِ بد سے محفوظ رکھنے کے لیے تدبیر تو بتائی کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا لیکن ساتھ ہی انہیں یہ بات بھی سمجھادی کہ میری تدبیر اللہ کی مشیت اور ارادے کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکے گی۔ حکم اللہ ہی کا چلے گا۔ انسان صرف ظاہری تدابیر اختیار کر سکتا ہے لیکن بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔[3]

یعقوب علیہ السلام نے جس انداز سے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا سکھایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہلِ خانہ کو اس بات کی تعلیم دینا انتہائی ضروری ہے کہ کسی بھی معاملہ میں وہ ظاہری اسباب ضرور اختیار کریں لیکن بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھیں۔ جب انسان اللہ کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کی ساری توقعات بھی اسی سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ نتیجے میں اگر انسان کو اس کام میں نقصان ہو جائے تو وہ انتہائی غم و غصہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر انسان سارے اسباب اختیار کرے اور اس کے بعد بھروسہ صرف اللہ پر کرے پھر اگر اس کو نقصان بھی پہنچے تو وہ غم و غصہ کا شکار نہیں ہوتا۔ لہٰذا انسان کے ذہنی و قلبی اطمینان کے لیے یہ لازمی امر ہے کہ اس کی ساری

[1] یوسف:67

[2] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:2، ص:54

[3] شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:5، ص:110

توقعات اور سارا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو، کیونکہ جب تک اللہ نہ چاہے تو انسان کو کوئی بھی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِن يَنصُرۡكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡۖ وَإِن يَخۡذُلۡكُمۡ فَمَن ذَا ٱلَّذِي يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعۡدِهِۦۗ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ﴾[1]

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے علاوہ کون تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ ہونا چاہیے۔''

سید قطب شہید رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ پر توکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: وبذلك يخلص تصور المسلم من التماس شيء من عند غير الله و يتصل قلبه مباشرة بالقوة الفاعلة في هذا الوجود فينفض يده من كل الأشباح الزائفة والأسباب الباطلة للنصرة والحماية والإلتجاء و يتوكل على الله وحده في إحداث النتائج و تحقيق المصاير و تدبير الأمر بحكمته و تقبل ما يجيء به قدر الله في اطمئنان أيا كان[2]

اس عقیدے کے سبب مومن کا ذہن اس بات سے بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا بھی کسی سے کوئی چیز مانگ سکتا ہے۔ مومن کی سوچ براہ راست اسی ذات کے ساتھ جڑ جاتی ہے جو حقیقت میں اس کائنات پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔ اس لیے وہ ان تمام باطل اسباب سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور ان کی مدد طلب نہیں کرتا اور وہ بہترین نتائج کے لیے صرف اللہ ہی پر توکل کرتا ہے۔ اسی سے توقعات وابستہ کرتا ہے کہ وہ معاملات کو اچھی سمت میں لے جائے گا اور اپنی حکمت سے انہیں درست بھی کر دے گا۔ اس عقیدے میں پختہ ہو جانے کے بعد جب بھی اس کی زندگی میں کوئی اونچ نیچ ہوتی ہے تو وہ اسے بڑے کھلے دل کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ فکر و نظر کا یہ وہ توازن ہے جو صرف اسلام نے ہی انسانوں کو دیا ہے۔

یہ آیت انسان کے دل کو انتہائی مطمئن کر دیتی ہے۔ انسان کو اس بات کا مکمل یقین اور اعتماد ہو جاتا ہے کہ صرف اللہ ہی مجھے فائدہ یا نقصان دے سکتا ہے۔ اس کی بندوں سے امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو گا اس کا تعلق بندوں کے ساتھ بھی اچھا ہو گا کیونکہ اس کو لوگوں سے بدلے میں کچھ بھی نہیں چاہیے ہو گا۔

۳۔ مایوسی سے بچنا:

یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بہت سی تعلیمات دیں جن میں سے اہم تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مایوسی سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ سورۃ یوسف میں آتا ہے:

﴿وَلَا تَاْيۡـَٔسُواْ مِن رَّوۡحِ ٱللَّهِۖ إِنَّهُۥ لَا يَاْيۡـَٔسُ مِن رَّوۡحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡقَوۡمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ﴾[3]

---

[1] آل عمران:160

[2] سید قطب، **فی ظلال القرآن**، ج: 4، ص:503

[3] یوسف:87

”اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس وہی ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔“

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ یأس کا معنی بیان فرماتے ہیں: انتفاءُ الطّمعِ[1] یعنی امید کا ختم ہو جانا۔ یَئِسَ ییئَسُ یاسًا کا معنی ہوتا ہے کسی چیز سے ناامید ہونا، مایوس ہونا۔[2]

اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے والوں سے متعلق دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولا ییأس من روح الله إلا القوم الكافرون أي الذين يجحدون قدرته ورحمته، ويجهلون حكمة الله في عباده. أما المؤمنون فلا ييأسون من رحمة الله وتفريجه الكروب، وإزالته الشدائد“[3]

اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہو سکتے ہیں جو کفر کرتے ہیں، اللہ کی قدرت اور رحمت کا انکار کرتے ہیں اور بندوں کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اس سے جہالت برتتے ہیں جبکہ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔ وہ اس بات سے مایوس نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے سختی والے حالات میں بھی کشادگی پیدا کر دے گا۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ مومن کے ہر حال میں ہی اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے:

عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ، صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))[4]

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بہت عجیب ہے۔ اس کے لیے ہر معاملہ میں خیر و بھلائی ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔ اسے کوئی خوشی ملتی ہے تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس میں بھی اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔“

انبیاء علیہم السلام اپنے اہلِ خانہ کو بھی مایوسی سے بچنے کی تلقین کرتے تھے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ زکریا علیہ السلام بے اولاد تھے لیکن وہ بڑھاپے میں بھی اللہ سے اولاد کے حصول کی دعا کرتے تھے اور کبھی بھی مایوس نہ ہوئے، جیسا کہ سورۃ مریم میں آتا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلۡعَظۡمُ مِنِّي وَٱشۡتَعَلَ ٱلرَّأۡسُ شَيۡبٗا وَلَمۡ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيّٗا﴾[5]

”اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں ہوا۔“

عصرِ حاضر میں عمومی طور پر معاشرہ میں مایوسی بڑھتی جا رہی ہے۔ غربت، مہنگائی اور دیگر مسائل کی وجہ سے مایوس ہو کر لوگوں میں خودکشی کر لینے کا رجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں ایک داعی دین کے

---

[1] الأصفهاني، أبو القاسم الحسين، **المفردات في غريب القرآن**، ص:892

[2] قاسمی، مولانا وحید الزماں، **القاموس الوحید**، ص:1908

[3] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:13، ص:47

[4] قشيري، مسلم بن حجاج، **الصحيح**، كتاب الزهد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير، ج:4، ص:2295، ح:2999

[5] مریم:4

لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو مایوسی سے بچنے کی تعلیم دے۔ ان کو یہ سکھائے کہ حالات جتنے بھی شدید ہو جائیں اپنے رب سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہیے۔

خلاصہ:

اس فصل میں یہ موضوع زیر بحث لایا گیا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو فکری اور اخلاقی اصلاح میں کون سی تعلیمات دی تھیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ مرتے دم تک توحید پر قائم رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

۲۔ انبیاء نے اپنے خاندان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا سکھایا۔ انہیں اس بات کی تعلیم دی کہ وہ اسباب بھی اختیار کریں لیکن بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا ہے۔

۳۔ توکل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو مایوسی سے بچنے کی بھی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے کبھی بھی کوئی شخص مایوس نہیں ہو سکتا۔

فصل دوم

فکر وعقیدہ کے انسانی زندگی پر اثرات

انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کی اور خصوصاً اپنے اہلِ خانہ کی فکری اصلاح پر توجہ دی۔ انسان کا عمل اس کی فکر کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اس کے عمل میں فکر وعقیدہ کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات انتہائی اہم ہے کہ اپنے اہلِ خانہ کی فکری اصلاح کی جائے، ان کا عقیدہ درست کیا جائے کیونکہ انسانی زندگی پر فکر کے بے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ فکر کے اثرات انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان اثرات کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ مقصدِ زندگی کا شعور:

جب انسان کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان مضبوط ہو جاتا ہے تو اسے اپنی زندگی کا مقصد بھی سمجھ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بغیر کسی مقصد کے نہیں پیدا کیا۔ وہ اس چیز پر غور ضرور کرتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک مقصد کے تحت کام کر رہی ہے تو میری زندگی بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہو سکتی، جیسا کہ قرآن میں بھی ذکر کیا گیا ہے:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَٰكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾[1]

''کیا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔''

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اس آیت میں عبثا کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اصل میں عَبَثًا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہے "کھیل کے طور پر"۔ اور دوسرا معنی ہے "کھیل کے لیے"۔ پہلی صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بطور تفریح بنا دیا ہے، تمہاری تخلیق کا کوئی مقصد نہیں ہے، محض ایک بے مقصد مخلوق بنا کر پھیلا دی گئی ہے اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ تم بس کھیل کود اور تفریح اور ایسی لا حاصل مصروفیتوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو جن کا کبھی کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔[2]

امام صابونی رحمہ اللہ نے بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: {أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً} أي أظننتم – أيها الناس – أنما خلقناكم باطلاً وهملاً بلا ثواب ولا عقاب كما خلقت البهائم {وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا

---

[1] المؤمنون: 115

[2] مودودی، ابو الاعلی، **تفہیم القرآن**، ج: ۳، ص: ۳۰۳

تُرْجَعُونَ} أي وأنه لا رجوع لكم إلينا للجزاء؟ لا ليس الأمر كما تظنون وإنما خلقناكم للتكليف والعبادة ثم الرجوع إلى دار الجزاء[1]

ان آیات میں تمام انسانوں کو مخاطب کر کے انہیں یہ احساس دلایا جارہا ہے کہ کیاانسان یہ گمان کیے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بغیر کسی وجہ کے پیدا کیا ہے، کسی ثواب اور سزا کے بغیر، جیسے جانور ہیں۔ اور کیاانسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے سزا و جزا کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر نہیں جانا۔ خبر دار ہو جاؤ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا انسان سمجھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکلف بنایا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد عبادت کرنے کو بنایا ہے، اور اس زندگی کے بعد اس نے ایک دوسری زندگی میں جانا ہے جہاں اسے اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔

سورۃ القیامہ میں بھی یہ مضمون درج ذیل الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

﴿أَيَحۡسَبُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَن يُتۡرَكَ سُدًى﴾[2]

س ""کیاانسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔""

امام صابونی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: أفيظن الإنسان أن يُترك هملاً، من غير بعثٍ ولا حساب ولا جزاءٍ؟ وبدون تكليف بحيث يبقى كالبهائم المرسلة؟ لا ينبغي له ولا يليق به هذا الحُسبان[3]

یعنی کیاانسان یہ سمجھے ہوئے ہے کہ اسے یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا، اس سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا اور نہ اسے کوئی جزا سزا دی جائے گی۔ اسے بالکل جانوروں کی طرح غیر مکلف چھوڑ دیا جائے گا۔ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بات انسان کے لائق ہی نہیں ہے کہ اسے بے مقصد چھوڑ دیا جائے۔

انسان کی زندگی بدلنے کے لیے یہی ایک آیت کافی ہے جو اسکے ذہن کو یہ سوچنے پر ابھارتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دنیا میں صرف پیسے کمانے اور کھیل کود میں اس زندگی کو ضائع کرنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ کسی مقصد کے تحت مجھے بنایا گیا ہے۔ نیز یہ دنیا فانی ہے جس کے بعد مجھے اپنے اعمال کا حساب بھی دینا ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ممکن کہ انسان اپنے دنیاوی معاملات کو چھوڑ دیتا ہے۔ انسان اپنی تمام ذمہ داریوں کو بھی پورا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کا ایک مقصد متعین ہو جاتا ہے جس کے تحت وہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کی زندگی میں کوئی مقصد ہوتا ہے اور وہ اس مقصد تک پہنچنے کی سعی بھی کرتے ہیں در اصل وہی اپنی زندگی جیتے ہیں۔

۲۔ معاملات کی درستگی:

اللہ تعالیٰ پر مضبوط ایمان کا انسانی زندگی پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اسے اللہ کی موجودگی کا احساس رہتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ میں کہیں بھی اکیلا نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے دیکھ رہی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس بات کا ذکر آتا ہے:

---

[1] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:2، ص:294

[2] القيامة: 36

[3] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:3، ص:463

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾[1]

''اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

یہ احساس کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اس کے **متعلق سید قطب** شہید رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وهي حقيقة هائلة حين يتمثلها القلب حقيقة مذهلة من جانب و مؤنسة من جانب، مذهلة بروعة الجلال و مؤنسة بظلال القربى، وهي كفيلة وحدها حين يحسها القلب البشري على حقيقتها أن ترفعه و تطهره و تدعه في حذر دائم و خشية دائمة مع الحياة والتحرج من كل دنس ومن كل إسفاف.... و الشعور بهذه الحقيقه يحرس القلب من كل لفتة لغير الله في أي امر في أول الأمر وفي آخره ويحميه من التطلع لغير الله في أي طلب ومراقبة غير الله في أي عمل ويقيمه على الطريق الى الله في سره وعلانيه وحركته وسكونه وخوالجه ونجواه وهو يعلم ان لا مهرب من الله إلا اليه ولا ملجا منه إلا إلى حماه[2]

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ کبھی انسان کو خوف میں مبتلا کرتی ہے اور کبھی اسے امید اور محبت عطا کرتی ہے۔اور یہی ایک حقیقت انسان کو بلند کرنے اور پاک وصاف کرنے کے لیے کافی ہے۔انسان اس دنیا کی تمام دلچسپیوں سے دامن چھڑا کر صرف اللہ کا ہو جاتا ہے اور پھر وہ ہر معاملے میں بہت محتاط ہو جاتا ہے۔اور اللہ کے خوف کی وجہ سے ہر گندگی میں پڑنے سے رک جاتا ہے کیونکہ اسے اللہ سے حیا آتی ہے۔جب انسان میں یہ شعور پختہ ہو جائے تو پھر وہ ہر معاملے میں اللہ کی رضا دیکھتا ہے۔یہ شعور انسان کو باقی سب سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اور ہر معاملے میں صرف ایک اللہ کا محتاج کر دیتا ہے۔اسے تنہائی میں اور سوسائٹی میں ہر جگہ اللہ کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔اس کا ہر کام، مشورہ اور اس کی سوچ سب اللہ کی نگرانی میں ہوتی ہے اور اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں اور اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

یہ احساس جب انسان کے دل میں ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اس کے سارے معاملات درست ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔وہ ظلم سے بچتا ہے، کسی کو دھوکہ نہیں دیتا، خیانت نہیں کرتا، تنہائی میں بھی گناہوں سے بچتا ہے۔

۳۔ فرائض کی ادائیگی کا اہتمام:

عقیدہ توحید و آخرت کی مضبوطی سے انسان فرائض کی ادائیگی میں غفلت نہیں برتتا۔اس کے دل میں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ فرائض میں کوتاہی پر میری پکڑ ہو سکتی ہے۔آخرت میں جوابدہی کا احساس انسان کو فرائض میں کوتاہی سے روکتا ہے بلکہ فرائض سے بڑھ کر نوافل کی ادائیگی پر بھی آمادہ کرتا ہے۔یہی وہ فکر تھی جس نے مسلمانوں کو ہر حالت میں فرائض کی ادائیگی پر آمادہ کیا۔چاہے وہ حالتِ جنگ میں ہوتے یا حالتِ امن میں، وہ نماز کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتتے تھے۔نماز کے علاوہ دیگر فرائض جیسے روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کی ادائیگی میں بھی وہ غفلت کا شکار نہیں ہوتے تھے۔

---

[1] الحدید:4

[2] سید قطب، **فی ظلال القرآن**، ج: 27، ص:3481

۴۔ حرام کاموں سے اجتناب:

جب انسان کی فکری اصلاح ہوتی ہے اور اس کے دل میں عقیدہ توحید و آخرت راسخ ہو جاتا ہے تو وہ حرام کاموں کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ وہ کسی کا حق نہیں مارتا، کسی پر ظلم نہیں کرتا، حصولِ رزق کے لیے حلال راستہ اختیار کرتا ہے، اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے بھی حرام راستہ کا انتخاب نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی گناہوں سے بچتا ہے اور تنہائی میں بھی حرام کام کا ارتکاب نہیں کرتا کیونکہ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر ابھی مجھے لوگ نہ بھی دیکھ رہے ہوں تو فرشتے میرے اعمال لکھ رہے ہیں جس پر دنیا میں بھی میری پکڑ ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی مجھے اس پر سزا مل سکتی ہے۔

اگر انسان نیکی کے کام کرتا رہے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام بھی سرانجام دے تو اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں رہتا، جیسا کہ ایک حدیث میں بھی آتا ہے:

((عَنْ ثَوْبَانَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالِ تِهَامَةَ بِيضًا، فَيَجْعَلُهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُورًا» ، قَالَ ثَوْبَانُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا، جَلِّهِمْ لَنَا أَنْ لَا نَكُونَ مِنْهُمْ، وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ، قَالَ: «أَمَا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ، وَمِنْ جِلْدَتِكُمْ، وَيَأْخُذُونَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُونَ، وَلَكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا))[1]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ * سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے ان افراد کو ضرور پہچان لوں گا جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں جیسی سفید نیکیاں لے کر حاضر ہوں گے تو اللہ عزوجل ان نیکیوں کو بکھرے ہوئے غبار میں تبدیل کر دے گا۔'' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ان کی صفات بیان فرما دیجیے۔ ان کی خرابیوں کو ہمارے لیے واضح کر دیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان میں شامل ہو جائیں اور ہمیں پتہ بھی نہ چلے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہاری جنس سے ہیں، اور رات کی عبادت کا حصہ حاصل کرتے ہیں جس طرح تم کرتے ہو۔ لیکن وہ ایسے لوگ ہیں کہ انھیں جب تنہائی میں اللہ کے حرام کردہ گناہوں کا موقع ملتا ہے تو ان کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگر انسان بظاہر جتنا بھی نیک ہو اور اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ ہو لیکن اگر وہ تنہائی میں گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی ساری نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی۔

---

[1] ابن ماجة،أبو عبد الله، **السنن**، دار الرسالة العالمية، الطبعة الأولى، 1430 ھ ، كتاب الزهد، باب ذكر الذنوب، ج:2، ص: 1418، ح:4245 و صححه الألباني في كتابه صحيح الجامع، ج:2، ص:897، ح:5028

* حضرت ثوبان بن بجدد رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جنہیں نبی ﷺ نے خرید کر آزاد کیا۔ اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو اپنے لوگوں میں واپس چلے جاؤ اور اگر چاہو تو ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ تمہارا شمار اہلِ بیت میں سے ہو گا۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور سفر و حضر میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ شام چلے گئے۔ آپ کی وفات ۵۴ھ میں حمص میں ہوئی۔ (الجزری، ابوالحسن علی بن ابی الکریم، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج:1، ص:480، الرقم:624)۔

۵۔وقت کے ضیاع سے رکنا:

ایک حقیقی مومن اپنے وقت کا درست استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔اسے یہ شعور ہوتا ہے کہ میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور جو لمحہ گزر گیا وہ واپس نہیں آئے گا لہٰذا وہ اپنا سارا وقت نیک اور فائدہ مند کاموں میں گزارتا ہے۔یہاں یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام انسان کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ وہ اپنی زندگی کو انجوائے کرے لیکن اسلام کچھ حدود وقیود ضرور عائد کرتا ہے۔ جب تک انسان اپنے فرائض کی ادائیگی کر رہا ہے اور ان سے غافل نہیں ہوتا تو اس پر کھیل کود کرنے یا سفر کرنے یا دیگر روزمرہ کے کام کرنے پر پابندی نہیں ہے۔ وقت کا ضیاع اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص وہ کام کرے جس کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اپنے دنیاوی امور سرانجام دینا بھی ضروری ہیں جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَٱبۡتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ ٱلدُّنۡيَاۖ﴾[1]

''اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو اور دنیا میں سے بھی اپنے حصے کو نہ بھولنا۔''

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو چھوڑ نہیں سکتا بلکہ دنیاوی امور بھی سرانجام دے گا اور آخرت کے لیے بھی تیاری کرے گا۔

مومن کی زندگی لغویات سے خالی ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ المؤمنون میں آتا ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ هُمۡ عَنِ ٱللَّغۡوِ مُعۡرِضُونَ﴾[2]

''اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

لغو سے متعلق مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ لغو ہر اس کام اور بات کو کہتے ہیں جو بے فائدہ ہو، جو فضول، لایعنی اور لاحاصل ہو۔ جو باتیں غیر اہم ہوں اور جن سے کوئی فائدہ بھی نہ حاصل ہوتا ہو وہ سب کام اور باتیں لغو میں شمار ہوتے ہیں۔[3]

مولانا عبدالسلام بھٹوی رحمہ اللہ* لکھتے ہیں کہ لغو ہر اس بات یا کام کا نام ہے جس کا کوئی مقصد اور فائدہ نہ ہو۔ اس میں شرک اور ہر گناہ آجاتا ہے۔اس آیت میں یعرضون کی جگہ معرضون یعنی اسم فاعل آیا ہے جس کا معنی یہ

[1] القصص:77

[2] المؤمنون:3

[3] مودودی، ابوالاعلی، **تفہیم القرآن**، ج:۳، ص:۲۶۲

*ان کا پورا نام عبدالسلام بن حافظ محمد ابوالقاسم بن حسین بن اسماعیل بھٹوی ہے۔ان کی پیدائش 29 رمضان المبارک 1365ھ، مطابق 27 اگست 1946ء کو اپنے ننھیال موضع گوہڑ چک نمبر 8 پتوکی میں ہوئی۔ آبائی گاؤں ''بھٹہ محبت والا'' ہے، اسی کی نسبت سے ان کو ''بھٹوی'' کہا جاتا ہے۔ حفظ القرآن، فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد، فاضل جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، فاضل عربی، فاضل فارسی، میٹرک، فاضل طب جدید نظریہ مفرد اعضاء۔ تقریباً سات سال تک انہوں م نے مسجد بلال سیٹلائٹ ٹاؤن میں خطابت کی، پھر شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب نے ان کو مسجد بلال محلہ اسلام آباد میں جمعہ پڑھانے کا حکم دے

بنتا ہے کہ لغو سے اعراض کرنا مومنوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ لغو کام یا بات کرنا تو دور کی بات ہے وہ اگر ایسی کوئی بات یا کام ہوتا ہوا دیکھتے یا سنتے بھی نہیں ہیں۔[1]

مومن کی زندگی لغویات سے خالی ہوتی ہے۔ مومن کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اسے اس بات کا مکمل یقین ہوتا ہے کہ زندگی بہت محدود مدت کے لیے ہے اور اس زندگی میں کیے جانے والے اعمال پر ہی آخرت میں فیصلہ ہوگا۔ لہٰذا وہ اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کر سکے۔ کوئی بھی ایسا کام یا ایسی بات جس سے وقت ضائع ہوتا ہو وہ اس کے مزاج کے خلاف ہوتی ہیں۔

۶۔اللہ کی طرف رجوع:

ایک مومن کی زندگی میں کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو وہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔ کوئی بھی مشکل، پریشانی، دکھ، تکلیف اسے پہنچے تو اس کے دل ودماغ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا خیال آتا ہے۔ وہ اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ اگرچہ وہ دیگر وسائل اور اسباب کو بھی استعمال کرتا ہے لیکن وہ ان سب چیزوں پر کامل بھروسہ نہیں کرتا۔ قرآن میں بھی مومنین کے اس طرزِ عمل کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا وَقَالُواْ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ﴾[2]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر اکٹھے کر لئے ہیں، تم ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

مومن اللہ تعالیٰ کی ذات سے مایوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا اللہ کی ذات پر پورا یقین واعتماد ہوتا ہے۔ وہ اپنے مسئلے کے حل کے لیے بندوں سے مدد بھی مانگ لیتا ہے لیکن آخر میں بھروسہ اللہ ہی کی ذات پر کرتا ہے۔ ایک انسان کا یہ

دیا، کچھ عرصہ وہاں جمعہ پڑھاتے رہے پھر ان کے حکم پر جامع مسجد تدریس القرآن والحدیث راولپنڈی میں تدریس اور جمعہ پڑھانے کے لیے چلے گئے، ایک سال کے بعد واپس آئے تو انہوں نے جامع مسجد طیبہ وحدت کالونی گوجرانوالہ میں جمعہ پڑھانے کے لیے مقرر کر دیا۔ جب شہر میں پیپلز کالونی بنی اور اس کے وسط میں جامع مسجد الفتح بنائی گئی تو مولانا عبد اللہ صاحب نے ان کو وہاں خطیب مقرر کر دیا۔ چنانچہ 1988ء سے لے کر 25 دسمبر 2020ء تک وہیں خطیب رہے۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ 29 مئی 2023ء کو دل کی تکلیف کے باعث وفات پا گئے۔(بھٹوی، حافظ عبد السلام، فتح السلام بشرح صحیح البخاری، دار الاندلس، ج:1، ص:37)

1 بھٹوی، حافظ عبدالسلام، **تفسیر القرآن الکریم**، دار الاندلس، ج:۳، ص:۵

2 آل عمران:173

طرزِ عمل اس کے دل کو اطمینان میں رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی مدد نہ بھی کرے تو وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔

۷۔ ہر خوف سے آزادی:

جو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتا ہو وہ اس کے علاوہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔ دین کے کسی بھی حکم پر عمل کرنے سے پہلے وہ دنیا والوں کے بارے میں نہیں سوچتا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے بلکہ اس کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اسے صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾[1]

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرتا ہوں اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھ پر بڑے دن کا عذاب آجائے گا۔"

یہی وہ فکر ہے جس کی عصرِ حاضر میں کمی ہے۔ ہر انسان یہی سوچتا ہے کہ اگر میں نے فلاں نیک کام کر لیا تو لوگ میرے بارے میں کیا سوچیں گے مثلاً بہت سے لوگ صرف اس وجہ سے داڑھی نہیں رکھتے کہ ہم اس میں اچھے نہیں لگیں گے اور لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے، بہت سی خواتین صرف لوگوں کی باتوں کے ڈر سے حجاب نہیں کرتی، شادی بیاہ کے موقع پر بہت سی رسمیں صرف لوگوں کی باتوں کے ڈر کی وجہ سے کی جاتی ہیں وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے حقیقی معنوں میں ڈرنے والا شخص اس طرح کے ہر خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔

۸۔ اپنی اصلاح پر توجہ:

ایک حقیقی مومن ہمیشہ اپنی اصلاح پر توجہ رکھتا ہے کیونکہ جب انسان کا عقیدہ آخرت درست ہوتا ہے اور اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے صرف اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہونا ہے تو وہ اپنے ارد گرد لوگوں کی غلطیوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آجائے تو وہ اس میں اپنی غلطی تلاش کرتا ہے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہر بات کا الزام دوسروں کو نہیں دیتا کہ فلاں شخص کی وجہ سے میرے ساتھ یہ مسئلہ پیش آیا۔ وہ دوسروں کی غلطیوں کو نظرانداز کرتا ہے اس کو لوگوں کے درمیان بیان نہیں کرتا۔ وہ دوسروں کے بارے میں غلط الفاظ بولنے سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص اسے بتائے کہ تمہارے اندر یہ غلطی موجود ہے تو وہ اس کی بات پر غصہ نہیں کرتا بلکہ کوشش کرتا ہے کہ اپنی اصلاح کر لے اور کسی کو بھی اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔

[1] الزمر: 13

۹۔اطمینانِ قلب:

جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اس کا دل اطمینان کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں بڑے سے بڑا حادثہ بھی پیش آجائے تو اس کا دل مطمئن رہتا ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر پورا یقین ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے:

﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ﴾[1]

''وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان پاتے ہیں، گاہ رہو کہ اللہ کا ذکر ہی دلوں کو اطمینان دیتا ہے۔''

اس کے قلبی اطمینان کی ایک وجہ یہ یقین بھی ہوتا ہے کہ جب تک اللہ کی مرضی نہیں ہوگی کوئی بھی مجھے نفع یا نقصان نہیں دے سکتا۔

قرآن انسان کے قلبی سکون کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے لیکن ان کے پاس دل کا سکون نہیں ہوتا۔ ان کی زندگی میں بے چینی ہوتی ہے بظاہر وہ کامیاب نظر آتے ہیں لیکن ان کے دل کی کیفیت اس طرح کی نہیں ہوتی جیسے ایک کامیاب انسان کی ہونی چاہیے۔ قرآن ہمیں یہ تصور دیتا ہے کہ انسان کے لیے قلبی اطمینان و سکون کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ آخرت میں بھی انسان کو قلبِ سلیم ہی فائدہ دے گا مال اور اولاد کوئی کام نہیں آئے گا۔

﴿يَوۡمَ لَا يَنفَعُ مَالٞ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنۡ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلۡبٖ سَلِيمٖ﴾[2]

''جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا نہ اولاد۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آئے گا (اس کو نجات ملے گی)''

قلبِ سلیم یعنی جو دل ہر قسم کے شرک، بدعات، کینہ و حسد سے پاک ہو۔ جس شخص کا دل ان قسم کے گناہوں سے پاک ہوگا وہی ایک مطمئن اور پر سکون دل ہوتا ہے۔

حدیث میں بھی دل کی سلامتی کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))[3]

یعنی اگر انسان کا قلب صحیح سلامت ہو تو اس کا پورا جسم درست رہے گا اور اگر دل تندرست نہ ہو تو اس سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے۔

---

[1] الرعد:28

[2] الشعراء :89-88

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، الطبعة: السلطانية، بالمطبعة الكبرى الأميرية، ببولاق مصر، 1311 ھ، ج:1، ص:20، ح:52

۱۰۔ حقوق العباد کی ادائیگی:

جب ایک شخص کی فکری اصلاح ہوتی ہے اور عقیدہ توحید میں پختہ ہو جاتا ہے تو وہ صرف حقوق اللہ کی ادائیگی نہیں کرتا بلکہ حقوق العباد کے معاملے میں بھی وہ زیادہ محتاط ہو جاتا ہے۔ وہ کسی پر زیادتی نہیں کرتا، دوسروں کی حق تلفی سے بچتا ہے، ناحق کسی کے مال و جائیداد پر قبضہ نہیں کرتا، دوسروں کی دل آزاری سے ڈرتا ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کی ایک مثال ہمیں واقعہ افک سے ملتی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا پر جھوٹ باندھا گیا تو ان لوگوں میں ایک مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ وہ صحابی تھے جن کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مالی مدد کرتے تھے لیکن جب وہ بھی الزام لگانے والوں میں شامل ہوئے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد نہ کرنے کی قسم کھائی جس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأۡتَلِ أُوْلُواْ ٱلۡفَضۡلِ مِنكُمۡ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤۡتُوٓاْ أُوْلِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينَ وَٱلۡمُهَٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ وَلۡيَعۡفُواْ وَلۡيَصۡفَحُوٓاْۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغۡفِرَ ٱللَّهُ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٌ﴾[1]

"تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہ کھا لینی چاہیئے، بلکہ معاف کر دینا اور در گزر کر لینا چاہیئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے؟ اللہ قصوروں کو معاف فرمانے والا مہربان ہے۔"

یہ وہ سوچ اور فکر تھی جس کے نتیجے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کی مالی امداد شروع کر دی تھی۔ کیونکہ ان کو اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ بھی نہیں چاہیے تھا۔ صرف ایک اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے وہ اپنی انا بھی قربان کر دیتے تھے۔ آج کے مسلمانوں کو یہ سوچ و فکر دینا انتہائی اہم ہے۔

فکر و عقیدہ کے اثرات صرف انسان کی انفرادی ذات پر نہیں ہوتے بلکہ اس کے اجتماعی اثرات بھی ہوتے ہیں مثلاً

۱۱۔ دوسروں کی فکرمندی:

انسان کے دل میں جب ایمان پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ارد گرد کے لوگوں کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کے افراد کے لیے بھی وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ایک حقیقی مومن کی یہی تعریف بیان کی گئی ہے:

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ))[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔"

---

[1] النور: 22

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، ج:1، ص:12، ح:13

حقیقی مومن وہی ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے لیے گناہ کے کام کو پسند نہیں کرتا تو وہ دوسروں کو بھی گناہ سے روکتا ہے۔اگر وہ اپنے لیے غلط الفاظ برداشت نہیں کر سکتا تو وہ دوسروں کے بارے میں بھی غلط الفاظ نہیں بولتا۔

۱۲۔معاشرتی ترقی:

فکری اصلاح معاشرتی ترقی کی بنیاد ہے۔ایک معاشرے میں لوگوں کی جب فکری اصلاح ہوگی تو وہ معاشرہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے گا۔کیونکہ اس معاشرے کے لوگوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جائے گا۔ وہاں کوئی کسی شخص کو دھوکہ نہیں دے گا، نہ ہی ظلم کرے گا کیونکہ اس کے اندر یہ احساس ہوگا کہ میں نے اگر کسی پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میری پکڑ ہو سکتی ہے۔اگر کوئی طالبِ علم ہے تو وہ اپنا وقت ضائع کرنے سے بچے گا کیونکہ اسے یہ احساس ہوگا کہ زندگی کا ایک مقصد ہے اور اس میں ایک ایک لمحہ قیمتی ہے جو کہ واپس نہیں آئے گا۔دفاتر میں لوگ ایمانداری سے کام کریں گے جس سے ترقی کی راہیں ہموار ہوں گی۔

خلاصہ:

اس فصل میں یہ بات زیر بحث لائی گئی کہ انسانی زندگی میں فکر و عقیدہ کی کتنی اہمیت ہے اور اس کے کون سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔انفرادی اثرات کے ساتھ ساتھ اجتماعی اثرات کا بھی ذکر کیا گیا جو کہ درج ذیل ہے:

۱۔فکری اصلاح سے انسان کے اندر مقصدِ زندگی کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ انسان کی انفرادی ذات پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ ہر کام ایمانداری سے کرنے لگتا ہے۔

۳۔وہ فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے اور اس میں کوتاہی سے بچتا ہے۔

۴۔فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ حرام کاموں سے بھی اجتناب کرنے لگتا ہے۔کیونکہ جتنا نیک کام کرنا ضروری ہے اتنا ہی گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔

۵۔وہ وقت کے ضیاع سے بھی بچتا ہے۔کیونکہ اسے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ آ جاتا ہے۔اسے زندگی اور وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

۶۔وہ کسی بھی حال میں ہو اس کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔بندوں سے کسی چیز کی امید نہیں رکھتا۔

۷۔وہ اللہ کے سوا ہر خوف سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسی لیے وہ ہر نیک کام آسانی سے کر لیتا ہے۔

۸۔وہ دوسروں کی خامیوں پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اپنی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔

۹۔اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے کیونکہ اس کااللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی انسان اسے فائدہ یا نقصان دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۱۰۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی محتاط ہو جاتا ہے۔

۱۱۔وہ دوسروں کے لیے بھی فکر مند ہوتا ہے۔جب خود گناہوں سے بچتا ہے تو دوسروں کو بھی گناہ کے کاموں سے روکتا ہے۔

۱۲۔ فکری اصلاح سے معاشرتی ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں۔

فصل سوم

اخلاقی اصلاح سے متعلق انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

اخلاق خلق کی جمع ہے۔ یہ انسان کی اس عادت کو کہتے ہیں جو اس کی فطرت اور طبیعت میں ہوتی ہے یعنی اس کا اظہار کرنے کے لیے انسان کو کسی تکلف سے کام نہیں لیناپڑتا، جیسا کہ علامہ زبیدی نے لکھا ہے:

الخلق: السجية[1] یعنی اخلاق طبیعت میں راسخ کیفیت کا نام ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں کہ انسان کے مجموعی اعمال کا نام اخلاق ہے اور خلق یا اخلاق کا اطلاق ان ہی عادات و اعمال پر ہوگا جو پختہ ہوں اور جن کا صدور بلا تکلف ہو۔[2]

انسان کو ہر وقت اپنے اخلاق کو بہتر کرنے پر توجہ کرنی چاہیے کیونکہ ہمارے دین میں اخلاقیات کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی آیت سے ہوتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ﴾[3]

"اللہ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان سب کے لیے نرم دل ہیں، اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔"

اس آیت سے حسنِ اخلاق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کا اخلاق اچھا نہ ہو تو وہ کہیں پر بھی اپنا مقام نہیں بنا سکتا بلکہ لوگ اس سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں مسلمان گھرانوں میں اخلاقیات کا فقدان پایا جاتا ہے اور اس حوالے سے تربیت میں بھی کافی تساہل پایا جاتا ہے۔انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی اخلاقی تربیت پر کافی توجہ دی اور اس کے متعلق قرآن مجید میں کافی آیات پائی جاتی ہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے اہل و عیال کی اخلاقی تربیت کو اہمیت دیتے ہوئے ان کو رہنمائی فرمائی۔ خاندان کی اخلاقی اصلاح و تربیت سے متعلق انبیاء کی تعلیمات آیاتِ قرآنی کے ضمن میں درج ذیل ہیں:

ا۔ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ:

ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ کو پیغامِ حق پہنچانا تھا تو انہوں نے انتہائی ادب کے ساتھ اور دل میں ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔ سورۃ مریم میں ان کے الفاظ بیان کیے گئے ہیں:

---

[1] الزبیدی، محمود مرتضیٰ حسینی، **تاج العروس**، ج:13، ص:124

[2] ڈاکٹر خالد علوی، **خلق عظیم**، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵، ص:۱۴

[3] آل عمران:159

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْـًٔا﴾[1]

"جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے ابا جان! آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔"

ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کار سے متعلق تفسیر ابی سعود میں آتا ہے کہ :"ولقد سلك عليه السلام في دعوته أحسن منهاج، وأقوم سبيل. واحتج عليه أبدع احتجاج بحسن أدب وخلق جميل. لئلا يركب متن المكابرة والعناد. ولا ينكب، بالكلية، عن محجة الرشاد. حيث طلب منه علة عبادته لما يستخف به عقل كل عاقل، من عالم وجاهل ويأبى الركون إليه"[2]

"ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ دین میں سب سے بہترین منہج اور سب سے زیادہ سیدھے رستے کو اختیار کیا اور انتہائی اچھے ادب و اخلاق کے ساتھ اپنے والد کے شرک کے خلاف دلیل قائم کی تاکہ ان کے والد ضد اور عناد کا شکار نہ ہو جائیں اور نہ ہی بھلائی کے رستے سے مکمل طور پر الگ نہ ہو جائیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے والد سے ان بتوں کی عبادت کی وجہ پوچھی کہ وہ آخر ان بتوں کو کیوں پوجتے ہیں جس کو کوئی بھی عاقل شخص، چاہے وہ علم رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، ایک ذلت آمیز کام ہی سمجھے گا اور اس کی طرف مائل ہونے سے انکار کرے گا۔"

والدین کو نیکی کی تلقین کرنے کی اہمیت ڈاکٹر فضل الٰہی نے ایک مثال دے کر سمجھائی ہے کہ اگر والدین کے کمرے میں شدید آگ لگی ہو تو بچے ان کو جھلسنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے بلکہ ہر ممکن کوشش کریں گے کہ انہیں اس آگ سے بچائیں۔ تو جب دنیا کی آگ سے بچانے کے لیے بچوں کا ایسا طرزِ عمل ہوتا ہے تو آخرت کی آگ سے بچانے کے لیے اس سے کئی زیادہ فکر مند ہونا چاہیے کیونکہ وہ آگ دنیاوی آگ سے زیادہ شدید ہو گی۔[3]

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کے اندازِ بیان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو یاابت کے الفاظ سے مخاطب کیا۔ یہ لفظ باپ کی محبت اور مہربانی کا داعی ہے۔ آپ نے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ اپنے والد کو مخاطب کیا۔ ان کی باتوں میں کہیں بھی ایسے الفاظ نہیں ہیں جہاں انہوں نے اپنے والد کو گمراہ یا جاہل کہا ہو باوجود اس کے کہ ان کے والد کھلی گمراہی میں تھے۔ بلکہ آپ نے اپنے والد کو انہی بتوں کی برائی بتائی جن کو وہ پوجتے تھے تاکہ وہ خود اپنی غلط روش کی طرف متوجہ ہوں۔[4]

انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے۔ اسلام نے والدین کو بہت بڑا مرتبہ اور مقام عطا کیا ہے:

---

[1] مریم:42

[2] ابو السعود، محمد بن محمد بن مصطفى، **ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم**، دار المصحف القاهرة، ج:5، ص:267

[3] ڈاکٹر فضل الٰہی، والدین کا احتساب، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، س ن، ص:59

[4] شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۳۶ھ، ج:۶، ص:۳۴

One of the main qualities of a true believer is that his behavior is very respectful and kind towards his parents. The status of parents is raised by Islam to such a level that is totally unknown in other religions. There are many verses of the Quran in which it is said that after pleasing Allah a man should take care of the pleasure of his parents. So a true Muslim treats his parents with more kindness and respect than any other person in the world.[1]

خلاصہ یہ کہ داعی دین کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اہلِ خانہ میں سے بڑوں کو مخاطب کرے تو ان سے انتہائی ادب واحترام اور نرمی سے پیش آئے۔ نیز ان کی اس طریقہ سے رہنمائی کرے کہ جس غلطی کا ان کے بڑے شکار ہیں اس کی برائی ان کے سامنے رکھیں اور ان کو سوچنے پر ابھاریں۔ نیکی کی تلقین کرنے کے علاوہ بھی یہ بات انتہائی اہم ہے کہ جب بھی بڑوں سے مخاطب ہونا ہو تو ان سے نہایت ادب و احترام سے پیش آیا جائے، ان کے سامنے اپنے کندھے جھکا کر رکھنا چاہیے یعنی اکڑ نہیں دکھانی چاہیے بلکہ عاجزانہ رویہ رکھنا چاہیے۔

۲۔اولاد کو نیک کاموں میں شریک کرنا:

عصرِ حاضر میں عمومی طور پر یہ رویہ دیکھنے میں سامنے آتا ہے کہ بچوں کو اپنے ساتھ کاموں میں شریک نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو کھیل کود میں ہی مصروف رکھا جاتا ہے جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ اس کے برعکس تھا۔ وہ اولاد کو نیک کاموں میں اپنے ساتھ شریک کیا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو اسماعیل علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ شریک کیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾[2]

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما، بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

بیت اللہ کی تعمیر میں اسماعیل علیہ السلام کو شامل کرنے سے متعلق صحیح بخاری میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم في حديث طويل و فيه : ((قَالَ (إبراهيم): يَا إِسْمَاعِيلُ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ قَالَ: وَتُعِينُنِي قَالَ: وَأُعِينُكَ قَالَ: فَإِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَا هُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلَى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلَى مَا حَوْلَهَا قَالَ: فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ))[3]

---

[1] Al-Hashimi, Muhammad Ali, The ideal Muslim, International Islamic publishing house, P: 133

[2] البقرة:127

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحيح**، كتاب احاديث الانبياء، باب (يزفون) النسلان في المشي، ج:4، ص:142، ح:3364

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں آتا ہے: ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا، اسماعیل، اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ اسماعیل (علیہ السلام) نے کہا کہ آپ کے رب نے جو بھی حکم آپ کو دیا ہے آپ اسے ضرور پورا کریں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی مقام پر اللہ کا ایک گھر بناؤں۔ اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی۔ اسماعیل (علیہ السلام) پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) تعمیر کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں تو اسماعیل ایک پتھر لائے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے اسے رکھ دیا۔ اب ابراہیم (علیہ السلام) اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کے کام میں مشغول ہو گئے۔ اسماعیل (علیہ السلام) پتھر دیتے جاتے تھے اور یہ دونوں یہ دعا پڑھتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما، بے شک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ فرمایا کہ یہ دونوں تعمیر کرتے رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو بڑا سننے والا بہت جاننے والا ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے فوراً اسماعیل علیہ السلام کو حکم دینے کے انداز میں بات نہیں کی بلکہ ان کو اپنے ساتھ کام میں شریک کرنے کے لیے ان کی رضامندی جاننے کی غرض سے سوال کیا کہ وہ اپنے والد کی مدد کریں گے یا نہیں۔ اس سے اولاد کے دل میں والدین کی عزت بھی بڑھتی ہے اور کام کرنے کا شوق بھی بڑھتا ہے۔ اس کے برعکس اگر والدین بچوں کو کسی قسم کی ترغیب نہ دلائیں اور کام کرنے کا حکم دے کر چلے جائیں تو اولاد دل کی خوشی سے کام میں حصہ نہیں لیتی۔

۳۔ حسنِ اخلاق سے پیش آنا:

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کے ساتھ مختلف طرح سے ظلم و زیادتی کی۔ انہیں کنوئیں میں پھینکا گیا، اس کے بعد وہ مختلف آزمائشوں سے گزرے لیکن اس سب کے باوجود انہوں نے اپنے بھائیوں سے احسن انداز سے پیش آئے۔ قحط سالی میں یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو خوب غلہ فراہم کیا۔ اور ان کے ساتھ انتہائی اچھا معاملہ کیا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ٱئْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّيٓ أُوفِي ٱلْكَيْلَ وَأَنَا۠ خَيْرُ ٱلْمُنزِلِينَ﴾[1]

”جب انہیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمہارے باپ سے ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں۔“

[1] یوسف:59

امام قشیریؒ فرماتے ہیں:"ويقال تلطف يوسف فى استحضار بنيامين بالترغيب والترهيب، وأما الترغيب ففى ماله الذي أوصله إليهم وهو يقول: «ألا ترون أني أوفي الكيل» وفى إقباله عليهم وفى إكرامه لهم وهو يقول: «وأنا خير المنزلين» وأما الترهيب فبمنع المال"[1]

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو (جوان کا سگا بھائی تھا) بلانے کے لیے نرمی کے ساتھ اپنے بھائیوں کو ترغیب بھی دی اور انہیں خوف بھی دلایا۔ ترغیب اس مال کے ذریعہ دی جو انہوں نے اپنے بھائیوں کو دیا۔اور بھائیوں کو عزت دینے کے لیے کہا کہ میں بہترین میزبانی کرنے والا ہوں۔ جبکہ انہیں خوف اس بات سے دلایا کہ اگر وہ بنیامین کو نہ لائے توان کو کوئی غلہ نہیں ملے گا۔

ان کے بھائی واپس گئے اور بنیامین کو بھی لے آئے۔کچھ دیر بعد یوسف علیہ السلام نے ان سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو تم لوگوں نے اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔یہاں بھی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو براہِ راست الزام نہیں دیا بلکہ کہا کہ اس وقت تم نادان تھے کہ تم کیا کر رہے ہو۔قرآن مجید میں یہ الفاظ موجود ہیں:

﴿قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُم مَّا فَعَلۡتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذۡ أَنتُمۡ جَٰهِلُونَ﴾[2]

"یوسف نے کہا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم سب نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی جہالت کے سبب کیا کیا تھا؟"

تفسیر محاسن التاویل میں اس آیت سے متعلق لکھا گیا ہے کہ:"من تلطفه بهم قوله: إِذْ أَنْتُمْ جاهِلُونَ كالاعتذار عنهم، لأن فعل القبيح على جهل بمقدار قبحه، أسهل من فعله على علم."[3]

یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے لیے عذر تلاش کیا کہ وہ نادان تھے کیونکہ لاعلمی میں ایک قبیح کام کرنا علم ہونے کی نسبت سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

جب ان کے بھائیوں کو علم ہوا کہ یہی یوسف علیہ السلام ہیں تو انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوا اور انتہائی ندامت بھی ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے اپنے والد سے بھی کہا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں۔ سورۃ یوسف میں آتا ہے:

﴿قَالُواْ يَٰٓأَبَانَا ٱسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَآ إِنَّا كُنَّا خَٰطِـِٔينَ﴾[4]

"انہوں نے کہا ابا جی! آپ ہمارے لیے گناہوں کی بخشش طلب کیجیے بیشک ہم قصور وار ہیں۔"

---

[1] القشيري، عبد الكريم بن هوازن، **لطائف الإشارات**، ج:2، ص:192

[2] يوسف:89

[3] القاسمي، محمد جمال الدين، **محاسن التأويل**، ج:6، ص:213

[4] يوسف:97

اہلِ خانہ کی تعلیم و تربیت ان کو صرف پڑھانے اور سکھانے کا نام نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ بھی مطلوب ہے۔اس کے بارے میں آتا ہے کہ :

Education to the family members is not only rational or based on logics but it is more than that family is a place where everyone should care for each other. Every individual of the family is supposed to show respect to other person whether he is a young or an old person.[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصلاح و تربیت کا ایک اہم اصول حسنِ سلوک سے پیش آنا ہے۔ جیسا کہ ابو سعودؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:وإنما قاله نصحاً لهم، وتحريضاً على التوبة، وشفقةً عليهم[2]

یعنی یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا اور ان کی غلطیوں کو نادانی کہنا ان کو نصیحت کرنے کے لیے اور ان پر شفقت کے لیے تھا تاکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔

۴۔بدگمانی سے بچانا:

قرآن مجید میں یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج سب ان کے آگے سجدہ ریز ہیں تو انہوں نے یہ خواب اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو بتایا۔یعقوب علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت کے اعلیٰ درجے پر فائز کیا جائے گا چنانچہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو ہدایت کی کہ وہ یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کریں کیونکہ وہ حقیقی بھائی نہیں تھے اور ان کے دل میں حسد کے جذبات پیدا ہو سکتے تھے۔ لیکن ان کا انداز قابلِ تعریف ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے دل میں بھائیوں کے لیے بدگمانی کے جذبات بالکل بھی نہیں ڈالے بلکہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ :

﴿قَالَ يَٰبُنَيَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلَىٰٓ إِخۡوَتِكَ فَيَكِيدُواْ لَكَ كَيۡدًاۖ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ لِلۡإِنسَٰنِ عَدُوّٞ مُّبِينٞ﴾[3]

"یعقوب علیہ السلام نے کہا پیارے بچے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی فریب کاری کریں شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

[1] Tubagus Chaeru Nugraha, "Sustainability of family harmony through literacy of Prophet Muhammad Family model", Atlantis press, 216(2018), 147

[2] ابو السعود، محمد بن محمد بن مصطفى،**ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم**، ج:4، ص:303

[3] یوسف:5

یعقوب علیہ السلام نے وجہ بھی واضح کر دی کہ بھائی ان کے خلاف کیوں چال چلیں گے۔کیونکہ شیطان روزِ اول سے انسان کا دشمن ہے، لہٰذا وہ ہر وقت اس کوشش میں ہوتا ہے کہ کیسے انسانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا اور فساد پیدا کیا جائے۔اور یہ تو انتہائی اچھا موقع تھا کہ وہ بھائیوں کو آپس میں ایک دوسرے کا مخالف کر دیتا۔

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ممکنہ ارادے سے تو باخبر کیا لیکن ان کے دل میں بھائیوں کے خلاف بد گمانی نہیں ڈالی بلکہ یہ کہا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے یعنی اگر بھائی تمہارے خلاف چال چلیں گے تو اس میں ان کا قصور نہیں بلکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے جو انسانوں کے دلوں میں نفرت ڈالتا ہے اور انہیں دوسرے کے خلاف چال چلنے پر ابھارتا ہے۔یہی وہ تربیت تھی کہ یوسف علیہ السلام بھی اپنے بھائیوں سے بد گمان نہیں ہوئے۔بلکہ ان کے بھی وہی الفاظ تھے جو ان کے والد نے کہے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِيٓ إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ ٱلسِّجْنِ وَجَآءَ بِكُم مِّنَ ٱلْبَدْوِ مِنۢ بَعْدِ أَن نَّزَغَ ٱلشَّيْطَٰنُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِيٓ﴾[1]

"تحقیق اس نے مجھ پر بہت احسان کیا جب مجھے جیل خانے سے نکالا اور آپ سب کو صحرا سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں پھوٹ ڈال چکا تھا۔"

گھر کے افراد کا ایک دوسرے سے حسنِ ظن رکھنا انتہائی اہم ہے۔ ایک دوسرے سے بد گمان رہنا گھر کے ماحول کو خراب کرتا ہے۔اس میں سب سے اہم کردار گھر کے سربراہ کا ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کی تربیت اس طرح سے کرے کہ گھر والوں کے درمیان اتفاق قائم رہے اور آپس میں ایک دوسرے سے بد گمانیاں نہ رکھیں۔عصرِ حاضر میں گھریلو ناچاقیاں بڑھتی جا رہی ہیں جس کی وجوہات میں سے ایک وجہ باہمی بد گمانی بھی ہوتی ہے لہٰذا یعقوب علیہ السلام کے اس طرزِ عمل کو اپنانے کی ضرورت ہے کہ اہلِ خانہ کی تربیت ہی ایسی ہونی چاہیے جس سے وہ سمجھ سکیں کہ شیطان ہمارے درمیان فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔

۵۔اولاد کی رائے کو اہمیت دینا:

خانگی زندگی میں یہ بات اہم ہے کہ والدین کسی بھی درپیش مسئلہ میں اپنی اولاد کی رائے کو بھی اہمیت دیں۔ ان کو اہم معاملات میں اپنے ساتھ شریک کریں۔ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کر دیں تو ان کا طرزِ عمل صرف حکم کی تعمیل نہیں تھا بلکہ پہلے اپنے بیٹے کو بھی اس سے متعلق آگاہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی جیسا کہ قرآنِ مجید میں آتا ہے:

---

[1] یوسف:100

﴿قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ أَنِّيٓ أَذۡبَحُكَ فَٱنظُرۡ مَاذَا تَرَىٰۚ﴾[1]

"تو اس نے کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، تو مجھے بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟"

ابن الجوزی رحمہ اللہ* اس آیت سے متعلق لکھتے ہیں: "قوله تعالى: فانظر ماذا ترى لم يقل له ذلك على وجه المؤامرة في أمر الله عز وجل، ولكن أراد أن ينظر ما عنده من الرأي"[2]

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو صرف اللہ کے حکم سے آگاہ نہیں کیا بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ بیٹے کی رائے معلوم کر سکیں۔

دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "شاوره ليتهيأ للذبح، وينقاد للأمر به، وليعلم ما عنده فيما نزل من بلاء الله، فيثبت، ويسلّم الأمر لله"[3]

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو مشورے میں شریک کیا تاکہ وہ ان کو ذبح ہونے کے لیے تیار کر دیں اور تاکہ وہ یہ بھی جان لیں کہ یہ ان پر اللہ کی طرف سے امتحان ہے اور ثابت قدم رہ کر اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔

ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالٰی کے پیغمبر تھے۔ اگر وہ چاہتے تو بیٹے کی رائے معلوم کیے بغیر بھی ان کو ذبح کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسماعیل علیہ السلام نے خود کو ذہنی طور پر اس آزمائش کے لیے تیار کر لیا تھا۔ دوسرا والدین جب اپنی اولاد سے کسی معاملے میں مشورہ لیتے ہیں اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دیتے ہیں تو اس سے اولاد میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ ان کے اندر کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک پر اعتماد شخصیت بنتے ہیں۔ ان کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی رائے کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔

عصرِ حاضر میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ والدین اپنی اولاد کو اہم معاملات میں شریک نہیں کرتے۔ ان کی رائے نہیں معلوم کرتے اور اگر اولاد اپنی رائے دینا چاہے تو ان کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ بعض اوقات انہیں ڈانٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے اولاد میں والدین کے لیے عزت کے جذبات کم ہو جاتے ہیں۔ نیز اولاد کا اپنے والدین سے تعلق بھی کمزور ہو جاتا ہے وہ ان سے باتیں چھپانے لگتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اولاد کو اہم معاملات میں شریک کیا جائے اور ان کی رائے بھی معلوم کی جائے تاکہ وہ ایک بااعتماد شخصیت بنیں اور خاندان کا تعلق بھی آپس میں مضبوط رہے۔

---

[1] الصافات:102

*امام ابن الجوزی رحمہ اللہ 508 ہجری میں پیدا ہوئے اور 597 ہجری میں وفات پائی۔ ان کا پورا نام عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی القرشی البغدادی ہے۔ اپنے دور میں تاریخ اور حدیث کے امام تھے۔ ان کی کثیر تعداد میں تصانیف ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: مناقب عمر بن عبد العزیز، تلقیح فہوم اھل الآثار، الناسخ والمنسوخ، تلبیس ابلیس، فنون الافنان فی عیون علوم القرآن۔ (الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، ج:3، ص: 316)

[2] ابن الجوزى، جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن، **زاد المسير في علم التفسير**، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة: الأولى 1422 هـ، ج: 3، ص: 548

[3] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:23، ص:118

٦۔ شوہر کی اطاعت کرنا:

شوہر کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا مقام عطا کیا ہے۔ ایک نیک عورت کی صفات میں سے ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبر دار ہوتی ہے۔ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کام کرنے کا فیصلہ نہیں کرتی۔ شوہر جب کسی بات کا کہہ دے تو اس کی بات مانتی ہے۔ شوہر کی اطاعت نہ کرنے سے بیوی کو کئی ایک مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کے طرزِ عمل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کی بات نہیں مانی تو نتیجے میں وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئیں جن پر عذاب آیا۔ ان دونوں انبیاء کی بیویوں کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱمْرَأَتَ نُوحٍ وَٱمْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَٰلِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا وَقِيلَ ٱدْخُلَا ٱلنَّارَ مَعَ ٱلدَّٰخِلِينَ﴾[1]

''اللہ ان لوگوں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے، یہ دونوں ہمارے دو ایسے بندوں کے نکاح میں تھیں جو بہت نیک تھے۔ پھر انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی، تو وہ دونوں اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہیں آئے اور (ان بیویوں سے) کہا گیا کہ: دوسرے جانے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں چلی جاؤ۔''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کی زوجیت میں ہوتے ہوئے بھی اگر بیوی شوہر کی فرمانبر داری نہیں کرتی تو اس پر اللہ کا عذاب آسکتا ہے۔

جب مرد و عورت ازدواجی زندگی میں جمع ہوتے اور اکٹھے زندگی گزارتے ہیں تو ان کی رائے میں اختلاف پایا جا سکتا ہے لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا فریق ہونا چاہیے جو اس معاملہ میں کمی کرے و گرنہ اختلافات زیادہ ہو جائیں گے اور آپس میں نزاع بڑھ جائے گا۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے گھر میں بیوی پر شوہر کو حکمران بنایا اور اسے ذمہ داری اور مسؤلیت دی کیونکہ وہ غالباً عقل میں کامل ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ عورت پر خاوند کی اطاعت کرنی واجب ہوئی۔

۷۔ اولاد کو فرمانبر دار بنانا:

دینِ اسلام نے والدین کو بہت بڑا مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد سب سے زیادہ جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہ انسان کے اپنے والدین ہیں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اولاد کو ایسے تربیت دی جائے جس سے وہ والدین کے اطاعت گزار ہوں۔ والدین کی بات ماننے سے وہ دل کی تنگی کا شکار نہ ہوں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ایسے انداز میں تربیت کرتے تھے کہ بچے ان کے فرمانبر دار ہوتے تھے۔ وہ والدین

[1] التحریم: 10

کی بات کو نہیں ٹالتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کے والد نے ان کو اپنے خواب سے متعلق آگاہ کیا کہ وہ ان کو ذبح کر رہے ہیں تو اسماعیل علیہ السلام نے ان الفاظ میں جواب دیا:

﴿قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُۖ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾[1]

"بیٹے (اسماعیلؑ) نے کہا: اباجان! آپ وہی کیجیے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے۔ ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی* اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام اتنی خندہ پیشانی سے قربان ہونے کے لیے تیار ہوگئے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ انتہائی صالح اور فرمانبردار بیٹے تھے کیونکہ بیٹے کی قربانی دینے کا حکم تو ابراہیم علیہ السلام کو ملا تھا۔ بیٹے کو تو قربان ہو جانے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ بیٹے نے اپنے والد کا فرمان بغیر کسی بحث کے تسلیم کر لیا جس سے انہوں نے اپنے والد کی بھی خوشنودی حاصل کر لی اور اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو گئے۔[2] یہ ابراہیم علیہ السلام کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کی بات کو رد نہیں کیا بلکہ انہیں تسلی دی کہ آپ اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں ان شاءاللہ میں ہر فیصلے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔

۸۔ صبر و تحمل سے کام لینا:

انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت سے ثابت ہے کہ وہ انتہائی صبر و تحمل سے کام لیتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی اس بات کی تعلیم دیتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب ان کو کنوئیں میں پھینک دیا اور گھر واپس آکر اپنے والد کو بتایا تو انہوں نے کسی قسم کا ردِ عمل نہیں دیا بلکہ فرمایا:

﴿قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ أَنفُسُكُمۡ أَمۡرٗاۖ فَصَبۡرٞ جَمِيلٞۖ وَٱللَّهُ ٱلۡمُسۡتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾[3]

---

[1] الصافات:102

*مولانا عبدالرحمن کیلانی 1922 میں پیدا ہوئے اور ان کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جن کا آبائی پیشہ کتابت تھا۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن بھی پڑھاتے تھے اور دکان کے ذریعے اپنے والد کا بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ مختصر عرصے کے لیے فوج میں ملازمت بھی کی اور پھر وہاں سے استعفیٰ دے کر کتابت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ 1947 سے 1965 تک اردو کتابت کی اور اس وقت کے سب سے معروف ادارے فیروز سنز سے منسلک رہے۔ 1965 میں قرآن مجید کی کتابت شروع کی اور تاج کمپنی کے لیے کام کرتے رہے۔ انہوں نے 50 کے قریب قرآن پاک کی کتابت کی سعادت حاصل کی۔ ان کی کافی تصانیف ہیں جن میں مترادفات القران، آئینہ پرویزیت، شریعت اور طریقت، خلافت و جمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل شامل ہیں۔ ان کا ایک اور علمی اور دینی کارنامہ مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات لاہور ہے۔ 18 دسمبر 1955 کو نماز عشاء میں سجدے کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ (عاصم نعیم، تیسیر القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی- تفسیر بالماثور کا ایک عمدہ نمونہ، القلم، جون 2012، ص:36)

[2] کیلانی، عبدالرحمان، **تیسیر القرآن**، مکتبۃ السلام، لاہور، 1432ھ، ج:3، ص:714

[3] یوسف:18

"ان کے والد نے کہا کہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ تمہارے دلوں نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی ہے، اب تو میرے لیے صبر ہی بہتر ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو ان پر اللہ کی مدد درکار ہے۔"

یعقوب علیہ السلام نے اتنی بڑی غم کی خبر پر جس ردِ عمل کا اظہار کیا اس سے متعلق مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے یعقوب علیہ السلام کی کمال درجہ بردباری اور باوقار شخصیت سامنے آتی ہے۔ اتنی بڑی خبر سن کر بھی انہوں نے اپنا ذہنی توازن نہیں کھویا بلکہ اپنی فہم و فراست سے معاملہ کی درست نوعیت کو بھانپ لیا کہ یہ تو محض ایک بناوٹی بات ہے اور پھر ایک عالی ظرف انسان کی طرح صبر کرتا ہے اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔[1]

مولانا عبد الرحمان کیلانی بھی اس آیت میں یعقوب علیہ السلام کے ردِ عمل کے بارے میں فرماتے ہیں: صبر جمیل ایسا صبر ہے جس میں انسان ٹھنڈے دل سے مصیبت کو برداشت کرتا ہے جزع فزع نہیں کرتا اور نہ ہی کسی سے شکایت کرتا ہے۔ یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے یہ بات سننے کے بعد ان سے کچھ تعرض نہیں کیا نہ ہی انہیں برا بھلا کہا کہ کہیں وہ کوئی اور غلط حرکت نہ کر بیٹھیں۔ صرف یہی کہا کہ میری فریاد تو صرف اللہ ہی سے ہے اور میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔[2]

یعقوب علیہ السلام کا اتنی بڑی خبر پر اس قدر صبر کا مظاہرہ کرنا ان کے بچوں کے لیے عملی تعلیم و تربیت تھا یعنی انہوں نے اپنے عمل سے اولاد کو یہ تعلیم دی کہ بڑے سے بڑا حادثہ بھی پیش آجائے تو اس پر صبر و تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیے۔ اس میں آج کے والدین کے لیے انتہائی اہم نکتہ ہے کہ اولاد کو صبر و تحمل اور برداشت کی تعلیم دینے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے خود ان کے لیے رول ماڈل بنا جائے۔ ان کو عملی طور پر یہ دکھایا جائے کہ کس موقع پر کس طرح سے صبر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمان گھرانوں کے اندر صبر و برداشت کی کمی پائی جاتی ہے۔ چھوٹی سی بات پر بھی نہایت سخت ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ بات اہم ہے کہ گھر کے بڑے اپنے اندر صبر و تحمل کا مزاج پیدا کر کے اپنی اولاد اور دیگر اہل و عیال کے لیے عملی نمونہ پیش کریں۔

۹۔ عفو و درگزر سے کام لینا:

اہل و عیال کے ساتھ رہتے ہوئے انسان کو بہت سی باتوں میں درگزر سے کام لینا ہوتا ہے۔ اگر ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو انسان دل پر لے اور گھر میں لڑائی جھگڑا کرے تو رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت سے ثابت ہے کہ وہ گھریلو معاملات میں نہایت عفو و درگزر سے کام لیتے تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں پھینک دیا جس کے بعد یوسف علیہ السلام کو بہت سی مشکلات کا بھی

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **تفہیم القرآن**، ج:2، ص:389

[2] کیلانی، عبد الرحمان، **تیسیر القرآن**، ج:2، ص:384

سامنا کرنا پڑا لیکن جب کئی سال بعد ان کے بھائی ان کے پاس آئے تو یوسف علیہ السلام نے ان سے کسی بھی قسم کی سختی کا معاملہ نہیں کیا بلکہ عفو و در گزر سے کام لیا۔ سورۃ یوسف میں ان کے الفاظ اس طرح سے بیان کیے گئے ہیں:

﴿قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ﴾[1]

"یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

یوسف علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ خود انہیں معاف کر دیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی ان کے لیے معافی مانگی۔ تیسیر القرآن میں آتا ہے:

یوسف علیہ السلام نے ان کے اس اندیشہ کو بھانپ لیا اور انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آج تمہاری کوئی سرزنش نہیں اور آئندہ بھی میں تم لوگوں کی طرف سے ایسی کسی کمی کوتاہی کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں نے سب کچھ تمہیں معاف کیا اور اللہ سے بھی دعا ہے کہ وہ بھی تم سب کو معاف کر دے۔[2]

خانگی زندگی میں بہت سے معاملات ایسے پیش آتے ہیں جس میں انسان کو در گزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اہلِ خانہ سے در گزر کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ سورۃ التغابن میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[3]

"اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں، اس لیے ان سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم معاف کر دو اور در گزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔"

یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ گھر میں کبھی کسی سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ انسان ہونے کے ناطے غلطی ہر ایک سے ہوتی ہے لیکن پھر گھر کا ماحول خوشگوار رکھنے کے لیے اور آپس میں تعلقات کو اچھا بنانے کے لیے در گزر کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔

مولانا عبد الرحمان کیلانی لکھتے ہیں کہ: یعنی اگر تم اپنے گھر والوں میں غلط رجحانات دیکھو تو ایسا نہیں ہے کہ ان پر اندھا دھند سختی شروع کر دی جائے۔ بیویوں کو طلاق دے دی جائے یا بچوں کو گھر سے نکال دیا جائے اگر ایسا کیا جائے تو معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں بہتر صورت یہی ہوتی ہے کہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور در گزر سے کام لیا جائے اور نرمی اور اچھے سلوک سے کام لیتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جائے۔ یہ طریقہ اس لیے بھی بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی لوگوں کی خطائیں معاف کرتا ہے۔[4]

---

[1] یوسف:92

[2] کیلانی، عبد الرحمان، **تیسیر القرآن**، ج:2، ص:414

[3] التغابن:14

[4] کیلانی، عبد الرحمان، **تیسیر القرآن**، ج:4، ص:466

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ گھریلوامور میں در گزر سے کام لینا کتنا ضروری ہے۔اگر در گزر سے کام نہ لیا جائے تو آپس کے تعلقات بگڑ جاتے ہیں، رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں برداشت کی کمی کی وجہ سے دوسروں کو معاف کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین ہو اس کے لیے یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔

خلاصہ:

۱۔اخلاقی اصلاح میں انبیاء نے اپنے اہل خانہ کو بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ رکھنے کی تعلیم دی۔

۲۔اولاد کو اپنے ساتھ نیک کاموں میں شامل کرنا ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت میں نہایت اہم ہے جو انبیاء کی سیرت سے ثابت ہوتا ہے۔

۳۔اہل خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۴۔انبیاء کی سنت سے یہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے کہ اہلِ خانہ کو آپس میں بد گمان ہونے سے اور حسد کرنے سے بچانا چاہیے۔ اولاد کی اخلاقی تربیت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کی رائے کو اہمیت دی جائے۔انہیں مشورہ میں شامل کیا جائے۔

۵۔بیوی کے لیے یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔شوہر کی نافرمانی سے خانگی زندگی پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۶۔انبیاء کی سیرت سے یہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فرمانبردار بناتے تھے۔اولاد ان کی بھی بات مانتی تھی اور وہ اللہ کے بھی فرمانبردار ہوتے تھے۔

۷۔سیرتِ انبیاء سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ گھریلو معاملات میں در گزر سے کام لیتے تھے اور اہل خانہ کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔

باب چہارم

افرادِ خاندان کی عملی زندگی سنوارنے میں انبیاء کی سیرت

فصل اول: عبادات کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

فصل دوم: خانگی امور کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

فصل سوم: خاندان کی عملی زندگی کی اصلاح میں سیرتِ انبیاء سے عصری استفادہ

فصل اول

عبادات کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انسان اور جنات کی پیدائش کا مقصد خالق حقیقی کی عبادت کو قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ الذاریات میں آتا ہے:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[1]

" میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔"

لہذا انبیاء کی دعوت کا مطمع نظر جہاں خاندان کی معاشرتی اصلاحات تھا وہاں عبادات میں بھی درست سمت، اللہ کی طرف یکسوئی اور ایمان میں پختگی تھا۔

عبادت کا مفہوم:

عبادت کا لفظ عبد سے ہے۔ امام راغب اصفہانی نے عبادت کی وضاحت اس طرح کی ہے: "العبودية: إظهار التذلل، والعبادة أبلغ منها، لأنها غاية التذلل، ولا يستحقها إلا من له غاية الإفضال، وهو الله تعالى، ولهذا قال: ألا تعبدوا إلا إياه"[2]

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی اس تعریف کے مطابق عبودیت انسان کی عاجزی وانکساری کے اظہار کو کہتے ہیں اور عبادت اس سے بھی زیادہ فصیح و بلیغ ہے یعنی جب انسان عاجزی اور انکساری کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اسے عبادت کہتے ہیں۔ عبادت کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جس کے ہمارے اوپر بہت زیادہ احسان ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی لیے سورۃ الاسراء میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی بندگی نہ کرو۔

القاموس الوحید میں عبادت کا لغوی مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے: عَبَدَ يعبُدُ عِبَادَةً وَ عُبُوْدِيَّةً کا معنی ہوتا ہے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا، بندگی کے آداب کا لحاظ رکھنا، عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا، صرف اللہ ہی کو خالق اور مالک اور اطاعت کے قابل ماننا۔ عَبَّدَهُ کا معنی ہوتا ہے مغلوب کرنا، قابو میں لانا، تابعدار بنانا غلام بنانا۔ تَعَبَّدَ کا معنی ہوتا ہے عبادت میں لگنا، عبادت کے لیے تنہائی اختیار کرنا۔ اسی طرح اِعْتَبَدَهُ کا معنی ہوتا ہے غلام بنانا۔[3]

---

[1] الذاريات:56

[2] الأصفهاني، أبو القاسم الحسين، **المفردات في غريب القرآن**، ص:542

[3] قاسمی، مولانا وحید الزماں، **القاموس الوحید**، ص:1038

امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ *عبادت کی ایک جامع صورت پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"العبادة هي اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه من الأقوال والأعمال الباطنة والظاهرة. فالصلاة والزكاة والصيام والحج وصدق الحديث وأداء الأمانة وبر الوالدين وصلة الأرحام والوفاء بالعهود والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والجهاد للكفار والمنافقين والإحسان للجار واليتيم والمسكين وابن السبيل والمملوك من الآدميين والبهائم والدعاء والذكر والقراءة وأمثال ذلك من العبادة.وكذلك حب الله ورسوله وخشية الله والإنابة إليه وإخلاص الدين له والصبر لحكمه والشكر لنعمه والرضا بقضائه والتوكل عليه والرجاء لرحمته والخوف من عذابه وأمثال ذلك هي من العبادة لله"[1]

عبادت اپنے اندر ایک جامع مفہوم رکھتا ہے اس میں وہ تمام باتیں اور کام شامل ہیں جو اللہ کو پسند ہیں چاہے ان کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہو یا باطن سے متعلقہ ہوں۔ لہٰذا نماز، زکوۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، ادائیگیٔ امانت، بر الوالدین، صلہ رحمی، وعدہ کی پاسداری، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کافروں اور منافقین سے جہاد کرنا، پڑوسی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، یتیم مسکین اور مسافروں کے ساتھ احسان، زیر دست انسانوں اور جانوروں کے ساتھ بھلائی، ذکر کرنا، قرآن کی تلاوت وغیرہ یہ سب عبادات میں شامل ہیں۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی محبت، اللہ تعالیٰ کی خشیت، اور اسی کی طرف رجوع کرنا، اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ دین پر قائم رہنا، اس کے حکم پر ڈٹ جانا، اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا، تقدیر پر راضی رہنا، اللہ پر توکل، اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف یہ سب اللہ کی عبادت میں شامل ہیں۔

عبادت صرف نماز روزہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کی پوری زندگی ہی ایک عبادت کا نام ہے۔ انسان اگر ہر کام کو کرتے ہوئے اپنی نیت کو خالص رکھتا ہے اور وہ اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے تو اس کی پوری زندگی ہی عبادت بن جاتی ہے۔

*امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا پورا نام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام تھا۔ آپ کا لقب تقی الدین تھا۔ ان کی پیدائش 661ھ میں ہوئی۔ تعلیم کا آغاز دمشق میں "دار الحدیث السکریہ" سے ہوا جہاں آپ کے والد عبد الحلیم بن تیمیہ رحمہ اللہ شیخ الحدیث تھے، آپ نے بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، دار الحدیث السکریہ کے علاوہ مدرسہ حنبلیہ میں بھی آپ نے تعلیم حاصل کیا، ان دونوں مدرسوں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دیگر علمی مراکز سے بھی استفادہ کیا اور مختلف اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، اسماء الرجال، فلسفہ، منطق و ادب اور صرف و نحو کا درس حاصل کیا، آپ نے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ امام حمیدی کی کتاب "الجمع بین الصحیحین" بھی حفظ کیا۔ ۳ ذی الحجہ 682ھ کو آپ اپنے والد کی وفات کے بعد دار الحدیث السکریہ کے شیخ الحدیث مقرر کر دیے گئے جبکہ اس وقت آپ کی عمر ۲۱ یا ۲۲ سال تھی۔ آپ نے 728ھ میں 67 سال کی عمر میں وفات پائی۔(الزركلي، خير الدين بن محمود، **الأعلام**، ج:1، ص: 144)

[1] ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس، **العبودية**، المكتب الإسلامي بيروت، الطبعة السابعة المجددة 1426هـ، ص:44

عبادت سے متعلق انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات:

اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول بھیجا اور تمام رسولوں کا بنیادی مقصد لوگوں کو الٰہ واحد کی طرف بلانا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِي كُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولًا أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجۡتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَ﴾[1]

"ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔"

قرآن مجید میں مختلف انبیاء کا تذکرہ موجود ہے لیکن عبادات سے متعلق تعلیم کے حوالے سے صرف دو ہی انبیاء اسماعیل علیہ السلام اور محمد ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔

ا۔ اسماعیل علیہ السلام کی تعلیم:

اسماعیل علیہ السلام سے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے، سورۃ مریم میں آتا ہے:

﴿وَكَانَ يَأۡمُرُ أَهۡلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرۡضِيّٗا﴾[2]

"وہ اپنے اہلِ خانہ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول تھے۔"

امام صابونی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "{وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بالصلاة والزكاة} أي كان يحث أهله على طاعة الله، وبخاصة الصلاة التي هي عماد الدين، والزكاة التي بها تتحقق سعادة المجتمع"[3]

اسماعیل علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ابھارتے تھے خصوصاً نماز کا حکم دیتے تھے جو کہ دین کی بنیاد ہے اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے جس سے معاشرے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

دکتور وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وكان يأمر أمته وعشيرته وأهله بهاتين العبادتين الشرعيتين المهمتين جدا"[4] کہ اسماعیل علیہ السلام اپنی امت اور اپنے اہلِ خانہ کو دو انتہائی اہم عبادات کا حکم دیتے تھے۔ اور یہ دو عبادات (نماز اور زکوٰۃ) صرف عبادت نہیں بلکہ پوری شریعت ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی خصوصیت بیان کی ہے (وَكَانَ يامُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ) یعنی وہ اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ انبیاء تمام انسانوں کو

---

[1] النحل:36

[2] مريم: 55

[3] الصابوني، محمد علي، **صفوة التفاسير**، ج:2، ص:202

[4] الزحيلي، وهبة بن مصطفى، **التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج**، ج:16، ص:122

نماز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کا حکم دینے آئے تھے، پھر یہاں خاص طور پر اہل وعیال پر توجہ کیوں مرکوز کی گئی ہے! یعنی انبیاء کا جو حکم تمام امت کے لیے بالعموم تھا وہی حکم اور ترغیب اپنے گھر والوں کے لیے بالخصوص ہوتا تھا۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ ویسے تو یہ ذمہ داری تمام مسلمانوں پر وارد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کا خیال رکھیں، مگر اسماعیل علیہ السلام کو اس معاملے میں امتیاز حاصل تھا۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے اہلِ بیت کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جو کہ ان کو اللہ کا حکم بھی تھا(وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ)۔چونکہ اسماعیل علیہ السلام نے اس معاملے میں خاص اہتمام کیا اس لیے اللہ نے انہیں اس آیت میں اپنا پسندیدہ ہونے کا اعزاز دیا۔ مفتی محمد شفیع نے اس حکمت کا بھی ذکر کیا ہے کہ انبیاء کے لیے باقی امت کی اصلاح اور پیغام رسانی کے ساتھ اپنے خاندان والوں کی اصلاح کو الگ سے کیوں اہمیت دی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جو دعوت عام لوگوں کو دی جائے اس کا آغاز اپنے اہل وعیال سے کرنا چاہیے کیونکہ اپنے اہل وعیال سے بات منوانا تھوڑا آسان ہوتا ہے اور ان کی نگرانی بھی کی جاسکتی ہے۔ جب وہ کسی خاص رنگ کو اختیار کرلیں اور اس میں پختہ ہوجائیں تو اس سے ایک دینی ماحول پیدا ہوکر دعوت کو عام کرنا اور پھیلانا آسان ہوجاتا ہے۔ لوگوں کی اصلاح کا سب سے مؤثر طریقہ ایک صحیح دینی ماحول وجود میں لانا ہے۔ کوئی بھی بھلائی یا برائی اگر بڑھتی ہے تو وہ تعلیم وتعلم سے زیادہ ماحول کے ذریعہ بڑھتی ہے۔[1]

اہلِ خانہ کی اصلاح کس قدر اہمیت کی حامل ہے، اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ سورۃ التحریم میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ﴾[2]

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

اہلِ خانہ کو نماز کا پابند بنانا اور اگر وہ نماز کے وقت سو رہے ہوں تو ان کو جگانے کی اہمیت حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔ سنن ابنِ ماجہ کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ، فَإِنْ أَبَتْ رَشَّ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلَّى، فَإِنْ أَبَى رَشَّتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ))[3]

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جس نے رات کو نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو بھی جگایا تو اس نے بھی نماز پڑھی۔ اگر بیوی نے جاگنے سے انکار کیا تو اس نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ اس عورت پر بھی رحم فرمائے جس نے رات کو

---

[1] شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:٦، ص:٤١

[2] التحریم:6

[3] ابن ماجة،أبو عبد الله، **السنن**، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء فيمن أيقظ أهله من الليل، ج:2 ، ص: 361، ح:1336 و صححه الألباني في كتابه صحيح الجامع، ح:3494

اٹھ کر نماز پڑھی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر شوہر نے جاگنے سے انکار کیا تو بیوی نے اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِذَا اسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ))[1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی رات کو جاگے اور اپنی بیوی کو بھی جگائے پھر وہ دونوں دو رکعت نماز پڑھیں تو ان دونوں کو اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

اگرچہ یہ روایات نمازِ تہجد سے متعلق ہیں لیکن ان سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تہجد کے لیے جگائے گا تو فرائض کی تاکید تو وہ اول درجے پر کرے گا۔ فرائض کی پابندی کرنے والا ہی نوافل کی بھی پابندی کرے گا۔

۲۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیم:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں جیسا کہ سورۃ طہ میں آتا ہے:

﴿وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا﴾[2]

"اور اپنے اہلِ خانہ کو نماز کی تلقین کرو، اور خود بھی اس پر قائم رہو۔"

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بظاہر یہ دو الگ الگ حکم لگ رہے ہیں لیکن دیکھا جائے تو انسان خود بھی نماز کا پابند اسی وقت بن سکتا ہے جب اس کے ارد گرد کے لوگ بھی نماز کی پابندی کر رہے ہوں۔ ایک دینی ماحول کی فضا قائم ہو کیونکہ اگر انسان کے ارد گرد کے لوگ نماز میں کوتاہی کریں تو وہ خود بھی آہستہ آہستہ نماز میں غفلت برتنے لگتا ہے۔[3]

جب ایک پورا گھرانہ نماز کا پابند ہو جاتا ہے تو اس گھر میں اتحاد و اتفاق قائم ہوتا ہے۔ ان سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو جاتا ہے۔ اگر گھر میں کوئی ایک فرد غلط راستہ کی طرف جا رہا ہو تو باقی سب اس کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فأول واجبات الرجل المسلم أن يحول بيته إلى بيت مسلم و أن يوجه أهله إلى أداء الفريضة التي تصلهم معه بالله فتوحد اتجاههم العلوي في الحياة وما أروح

[1] ابن ماجة،أبو عبد الله، **السنن**، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب ما جاء فيمن أيقظ أهله من الليل، ج:2 ، ص: 360، ح:1335 و صححه الألباني فی کتابه صحيح الجامع، ح:334

[2] طه:132

[3] شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:۶، ص:۱۶۵

الحياة في ظلال بيت أهله كلهم يتجهون إلى الله. (واصطبر عليها) على إقامتها كاملة وعلى تحقيق آثارها. إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر وهذه هي آثارها الصحيحة''[1]

ایک مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے ماحول کو ایسا بنائے جیسا ایک مسلمان گھرانے کا ہونا چاہیے۔ اپنے اہل و عیال کو اس فرض کی ادائیگی پر ابھارے جو انہیں اللہ تعالیٰ سے مربوط کرے گا تاکہ اس کے گھر میں یکجہتی پیدا ہو۔ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نماز کو پوری طرح قائم کرو۔ اس کے آثار تمہاری زندگی میں نظر آنے چاہیے۔ نماز کے آثار یہ ہیں کہ انسان ہر غلط کام سے رک جائے۔ ہر قسم کی فحاشی اور برائیوں سے باز رہے۔ اگر اس کی زندگی میں نماز کے آثار نہیں نظر آتے تو اس کی نماز صرف حرکات و سکنات تک ہی محدود ہیں وہ اصل قائم شدہ نماز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنی بیٹی کے گھر جا کر انہیں تہجد کی نماز کے لیے جگایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، ((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَقَالَ لَهُمْ: أَلَا تُصَلُّونَ. قَالَ عَلِيٌّ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قُلْتُ ذَلِكَ، وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ، يَضْرِبُ فَخِذَهُ، وَيَقُولُ: {وَكَانَ الإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلا}))[2]

نبی ﷺ رات کے وقت حضرت فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لائے اور ان سے کہا کہ کیا تم لوگ نمازِ تہجد نہیں پڑھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ فرما رہے تھے کہ انسان بڑا ہی بحث کرنے والا ہے۔

اس حدیث سے اہل خانہ کو نماز پابند بنانے کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہو چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو پھر بھی یہ فکر تھی کہ وہ نماز کی پابند رہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی نمازِ تہجد کو لے کر اس قدر فکر مند تھے تو فرائض کی ادائیگی میں بدرجہ اولیٰ فکر مند ہوتے ہوں گے۔ لیکن عصرِ حاضر میں مسلمان گھرانوں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ نمازِ تہجد تو دور نمازِ فجر کے لیے بھی بیدار ہونے والوں کی تعداد کم ہے۔

خلاصہ:

اس فصل میں یہ بات زیر بحث لائی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اہل و عیال کو عبادات سے متعلق کون سی تعلیمات دی تھیں۔ اگرچہ تمام انبیاء ہی اپنے اہل و عیال کی عبادات سے متعلق رہنمائی فرماتے تھے لیکن قرآن مجید میں اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ موجود ہے۔ اسماعیل علیہ السلام اور نبی ﷺ دونوں اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے اور اس کے لیے ہر وقت فکر مند بھی رہتے تھے۔

---

[1] سید قطب، **فی ظلال القرآن**، ج: 16، ص: 2311

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التوحید، باب في المشيئة والإرادة، ج:9، ص:137، ح:7465

فصل دوم

خانگی امور کی اصلاح میں انبیاء کی اپنے خاندان کو تعلیمات

انبیاء علیہم السلام کی سنت سے ثابت ہے کہ وہ اپنے خاندان کو صرف عبادات سے متعلق رہنمائی نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کے دیگر اصولوں سے متعلق بھی ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ گھر کے اندر رہتے ہوئے انسان کو کون سی چیزیں اپنانی چاہیے اور کون سی باتوں کو ترک کر دینا چاہیے، ان سب باتوں سے وہ اپنے خاندان کو آگاہ کرتے تھے۔ اس حوالے سے قرآنی آیات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات درج ذیل ہیں:

ا۔ خواتین کو حجاب کا پابند بنانا:

رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ تمام خواتین کو اس بات کی تاکید کریں کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت جلباب یعنی ایک بڑی چادر اوڑھ کر نکلیں تاکہ کوئی انہیں اذیت نہ دے سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ﴾[1]

"اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور سارے مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے وہ پہچان لی جائیں گی اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔"

ایک مسلمان عورت کی پہچان یہی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو ایک بڑی چادر سے خود کو ڈھکے تاکہ کوئی ان کو کسی بھی قسم کی اذیت نہ دے سکے۔ اس سے معاشرے میں ایک حیا کا ماحول بنتا ہے فحاشی ختم ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر میں فحاشی کے عام ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خواتین اپنے پردے کا خیال نہیں رکھتیں۔ اگر وہ خیال رکھیں تو فحاشی کم ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ گھر کا سربراہ اپنی خواتین کو پردہ کرنے کی تاکید کرے۔ اگر وہ گھر سے باہر نکلتے ہوئے باحجاب ہو کر نہیں جارہی تو ان کو ٹوکیں۔ سنتِ رسول ﷺ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں کو اس بات کی تلقین فرمائی۔

سید قطب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "كان ناس من فساق أهل المدينة يخرجون بالليل حين يختلط الظلام إلى طريق المدينة فيعرضون للنساء. وكانت مساكن أهل المدينة ضيقة فإذا كان الليل خرج النساء إلى الطريق يقضين حاجتهن فكان أولئك الفساق يبتغون ذلك منهن.

[1] الاحزاب: 59

فإذا رأوا المرأة عليها جلباب قالوا: هذه حرة فكفوا عنها. وإذا رأوا المرأة ليس عليها جلباب قالوا: هذه أمة فوثبوا عليها''[1]

یعنی مدینہ میں ایسے فاسق لوگ موجود تھے جورات کے وقت گھروں سے باہر نکلتے تھے اور جو خواتین ضرورت کے تحت باہر نکلتی تھیں ان کو چھیڑتے تھے۔ لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ کسی عورت نے جلباب اوڑھ رکھا ہے تو وہ اس سے باز رہتے تھے اور جب دیکھتے کہ کسی خاتون نے پردہ نہیں کیا تو اسے تنگ کرتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو خواتین خود کو باپردہ رکھتی ہیں وہ مردوں کی بری نظر سے محفوظ رہتی ہیں اور وہ مردوں کی نظروں میں باعزت بھی ہوتی ہیں وہ ان کا احترام کرتے ہیں۔ بے پردہ باہر نکل کر خواتین خود کو بھی مشکل میں ڈالتی ہیں اور معاشرہ میں بے حیائی بھی پھیلتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ گھر کا سربراہ اپنے گھر کی خواتین کو پردہ کا پابند بنائے۔

عصرِ حاضر میں گھروں کے اندر بھی بے حیائی کا ماحول بڑھتا جارہا ہے۔یہاں تک کہ محرم رشتوں سے بھی اعتبار ختم ہوتا جارہا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں لیکن اس مسئلہ کو ایسے حل کیا جاسکتا ہے کہ شریعت نے گھروں کے اندر رہتے ہوئے عورت کو جتنا باحجاب رہنے کی تلقین کی ہے اس کا اہتمام کیا جائے۔ محرم رشتوں کے سامنے بھی اپنے ستر کا خیال رکھا جائے۔

۲۔شادی شدہ اولاد کو گھر آباد کرنے کی تلقین کرنا:

انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت سے ثابت ہے کہ وہ اپنی اولاد کو گھر آباد کرنے کی تلقین کرتے تھے اور پوری کوشش کرتے تھے کہ طلاق کی نوبت نہ آئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ وہ جب اپنی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو طلاق دینے لگے تو نبی ﷺ نے ان کو منع کیا اور انہیں اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں آتا ہے:

﴿وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَأَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ أَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ﴾[2]

''اور یاد کرو جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے، جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی احسان کیا تھا، کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو، اور اللہ کو تقویٰ اختیار کرو۔''

اللہ سے ڈرنے کے حکم سے متعلق مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنے کا حکم اس معنی میں بھی ہو سکتا ہے کہ طلاق ایک مبغوض عمل ہے اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور اس معنی میں بھی

[1] سید قطب، **فی ظلال القرآن**، ج: 22، ص:2880

[2] الاحزاب:37

ہو سکتا ہے کہ طلاق نہ دینے کی صورت میں اگرچہ طبعی منافرت ہے لیکن پھر بھی ان کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔[1]

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کررہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے منہ بولے بیٹے کو اس بات سے منع کررہے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیں اور انہیں اس معاملے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اللہ کا ڈر ہی وہ احساس ہے جس سے انسان کوئی بھی غلط کام کرنے سے بچ سکتا ہے خصوصاً ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی اس وقت ہی ممکن ہے جب دل میں اللہ کا خوف ہو۔

۳۔ غیر اسلامی/ناپسندیدہ امور کے ارتکاب پر اہلِ خانہ سے ناراض ہونا:

انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اہلِ خانہ کی اصلاح کے لیے ان سے ناراض بھی ہوتے تھے اگر ان کی طرف سے کوئی غیر اسلامی یا ناپسندیدہ فعل سرزد ہوتا تھا۔

واقعہ افک کے موقع پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے بہتان تراشی کی تھی تو نبی کریم ﷺ نے وحی کے ذریعہ معاملہ حل ہونے تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے بات چیت کرنا بند کردی تھی۔ بیماری میں بھی رسول اللہ ﷺ آکر سلام کرتے اور یہ پوچھ کر واپس ہوجاتے کہ یہ کیسی ہیں، بیٹھتے نہیں تھے۔ نبی ﷺ وحی کے انتظار میں تھے تاکہ معاملہ مکمل طور پر واضح ہوجائے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کے گھر چلی گئیں اور جب وحی کے ذریعہ ان کی برأت میں سورۃ النور کی آیات نازل ہوئیں تو نبی ﷺ خود انہیں واپس لانے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔[2]

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی ہے کہ غزوہ احزاب، بنو نضیر اور بنو قریظہ والے واقعات میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کے حالات میں بہتری آئی تو ازواجِ مطہرات نے بھی نبی کریم ﷺ سے نان نفقہ بڑھانے کا مطالبہ کیا جس پر نبی ﷺ ان سے ناراض ہوگئے اور اسی واقعہ سے متعلق آیاتِ تخییر نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ أُمَتِّعۡكُنَّ وَأُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحٗا جَمِيلٗا وَإِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلۡمُحۡسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجۡرًا عَظِيمٗا﴾[3]

---

1 شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج:۷، ص:۱۵۳

2 بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، كتاب المغازي، باب حديث الإفك، ج:5، ص:116، ح:4141

3 الاحزاب:28-29

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر بھلے طریقے سے تمہیں رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمام نیک کام کرنے والیوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کو اپنی ازواج کے اس مطالبے سے بہت رنج ہوا۔ تفسیر معارف القرآن میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ دکھ تھا کہ ان کی ازواج نے بیت نبوت کی قدر نہیں پہچانی۔ لہٰذا انہیں یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ چاہیں تو نبی ﷺ کی موجودہ حالت میں ہی ان کے ساتھ رہیں یا پھر طلاق لے کر ان سے الگ ہو جائیں۔ [1]

اگرچہ نان نفقہ کا مطالبہ کرنا غیر اسلامی عمل نہیں ہے لیکن ایک نبی کی زوجیت میں ہوتے ہوئے ان سے ایسا مطالبہ کرنا پسندیدہ نہیں تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں اور انہیں اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو دنیا کی زینت کو اختیار کر لیں یا پھر آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کو اختیار کر لیں۔

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر گھر کے کسی فرد سے کوئی غیر اسلامی یا ناپسندیدہ فعل سرزد ہوتا ہے تو اصلاح کی نیت سے اس سے ناراض ہو سکتے ہیں۔

۴۔ اہلِ خانہ کی خاطر اللہ کی نافرمانی سے بچنا:

اہلِ خانہ کے کسی بھی فرد کی خاطر انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ سے متعلق سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَۖ تَبۡتَغِي مَرۡضَاتَ أَزۡوَٰجِكَۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ [2]

"اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے اسے آپ اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اس واقعہ کی تفصیل امام بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا کرتے تھے اور ان کے پاس ٹھہر جاتے تھے تو حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے طے کیا کہ آپ ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی آئیں گے تو ہم ان سے کہیں گے کہ آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ جب آپ ﷺ سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے قسم کھالی کہ آج کے بعد شہد نہیں پیئیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایک حلال چیز نہ کھانے کی قسم کھالی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[1] شفیع، مفتی محمد، **معارف القرآن**، ج: ۷، ص: ۱۲۷

[2] التحریم: 1

اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ کسی انسان کی خاطر اپنے اوپر ایک حلال چیز کو حرام نہیں کر سکتے۔اسی طرح کسی بھی شخص کی خاطر انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے کیونکہ اعمال کا حساب ہر شخص نے تنہا اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر دینا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ صرف اللہ کو راضی کیا جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے:

﴿قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾[1]

''آپ کہہ دیں کہ بیشک مجھے اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کا عذاب پہنچے گا۔''

اسی طرح قرآن مجید میں ہمیں اس چیز سے بھی خبردار کر دیا گیا ہے کہ اپنے اہلِ خانہ میں بھی انسان کو محتاط رہنا ہو گا کیونکہ وہاں بھی آپ کے لیے دل میں دشمنی رکھنے والے موجود ہو سکتے ہیں۔اور وہ انسان کو سیدھے راستے سے بھٹکا سکتے ہیں جیسا کہ سورۃ التغابن میں آتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَٱحْذَرُوهُمْ﴾[2]

''اے ایمان والو! بیشک تمہاری بیویوں اور بچوں میں سے بھی بعض تمہارے دشمن ہیں، لہٰذا ان سے محتاط رہو۔''

انسان بعض اوقات اپنی اولاد یا بیوی کی خوشی کی خاطر ناجائز کام بھی کر لیتا ہے۔ کبھی ان کی خواہشات کی خاطر انسان حرام راستہ بھی اختیار کر لیتا ہے۔ بعض اوقات بیوی اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی کے کام کر لیتی ہے۔ لہٰذا انسان کو محتاط کر دیا گیا ہے کہ ایسے تمام کاموں سے بچنا چاہیے۔ اہلِ خانہ کی خوشی کی خاطر اللہ کو ناراض کرنے سے بچنا چاہیے۔ انسان اپنے اہلِ خانہ کی خوشیوں کے لیے اللہ کی نافرمانی تو کر لیتا ہے اور بظاہر سب کچھ ٹھیک بھی لگ رہا ہوتا ہے لیکن اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے دل کا سکون اور اطمینان ختم ہو جاتا ہے اور آخر کار گھر میں لڑائیاں اور جھگڑے بھی ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن گھروں میں اللہ کی فرمانبرداری والا ماحول ہو وہاں برکتیں نازل ہوتی ہیں اور آپس میں اتفاق قائم رہتا ہے۔

۵۔ بیوی کو فحاشی پھیلانے سے روکنا:

قرآن مجید میں آتا ہے کہ قومِ لوط میں فحاشی اور بے حیائی پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ لوط علیہ السلام نے انہیں اس کام سے روکا لیکن وہ ان کی بات نہیں مانتے تھے۔ لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنی قوم کے ساتھ شامل تھی۔ ایک پیغمبر کی زوجیت میں ہوتے ہوئے بھی اس نے اپنی قوم کا غلط کام میں ساتھ دیا لہٰذا اس کا انجام بھی انہی لوگوں کے ساتھ ہوا۔ لیکن اس پورے واقعہ سے جو سبق سیکھنے کو ملتا ہے وہ یہی ہے کہ شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو فحاشی کے کاموں سے روکے۔ بیوی کو ہر غلط کام سے روکے۔ اس کو باحیا بنائے۔ اگر بیوی ایسا لباس پہنتی

[1] الزمر:13

[2] التغابن:14

ہے جو حیا کے معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کو ایسا لباس پہننے سے منع کرے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بھی اپنی بیوی کو بے حیائی کے لباس پہننے اوڑھنے سے منع کرے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ ایک حدیث سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَالْعَاقُّ، وَالدَّيُّوثُ، الَّذِي يُقِرُّ فِي أَهْلِهِ الْخَبَثَ))[1]

اس حدیث میں بتایا جارہا ہے کہ تین طرح کے لوگوں پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے: دائمی شرابی، والدین کا نافرمان اور دیوث جو اپنے اہل و عیال میں زنا برقرار رکھنے والا ہو۔

دیوث کی تعریف بیان کی جاتی ہے کہ دیوث وہ ہے جو اپنی بیوی کو بدکاری سے نہ روکے اور اس پر راضی رہے۔[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنی بیوی کو فحاشی سے نہ روکنا ایک بہت بڑا گناہ ہے جو انسان کو جنت سے محروم کر سکتا ہے۔ لہٰذا ایک شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے تمام کاموں سے منع کرے اور اپنے گھر کے اندر برائی کو برقرار نہ رہنے دے۔

۶۔ بیوی کی ضروریات زندگی پوری کرنا:

بیوی کی ضروریات کا خیال رکھنا اس کی اصلاح میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ انبیاء کی سنت سے یہ عمل بھی ثابت ہے کہ وہ اپنی ازواج کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ قرآنِ مجید میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دورانِ سفر اپنی بیوی کو سردی سے بچانے کے لیے آگ کا انتظام کرنے کی کوشش میں نکلے جیسا کہ سورۃ طہ میں آتا ہے:

﴿إِذْ رَءَا نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ ٱمْكُثُوٓاْ إِنِّيٓ ءَانَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيٓ ءَاتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾[3]

"جب اس نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے، ممکن ہے کہ میں اس میں سے کوئی انگارا تمہارے پاس لے آؤں۔"

بیوی کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا انتہائی اہم ہے۔ اکثر و بیشتر ہمارے معاشرے میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ شوہر بظاہر بہت دیندار ہوتا ہے اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں بھی سرگرم ہوتا ہے لیکن دعوت و تبلیغ میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ اپنے اہلِ خانہ کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہلِ خانہ

---

[1] الإمام، أحمد بن حنبل، **المسند**، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، ١٤٢١ ھ، ج:9، ص:272، ح:5372 و صححه الالبانی فی کتابه صحیح الجامع ، ج:1، ص:585، ح:3052

[2] المسند، محمد بن عبدالعزیز، **فتاوی اسلامیہ**، دارالسلام، ج:3، ص:134

[3] طه:10

دین سے بیزار ہونے لگتے ہیں۔ان کے اندر دین کی طرف آنے کی رغبت باقی نہیں رہتی۔اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ حقوق اللہ پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کی ضروریات کا بھی خیال رکھے۔

خلاصہ:

خانگی امور کی اصلاح سے متعلق قرآنی آیات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے جو نکات سامنے آئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔اہلِ خانہ کو آپس میں بد گمان ہونے سے بچایا جائے۔جو بھی مسئلہ درپیش ہو اس کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور معاملہ کو صلح صفائی کی طرف لے جانا چاہیے۔یہ سمجھنا چاہیے کہ جو بھی بد گمانی آرہی ہے وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

۲۔گھر کی خواتین کو باحجاب بنایا جائے۔گھر کے اندر رہتے ہوئے شریعت نے عورت کو جتنا باحجاب رہنے کا حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرنے سے گھروں کے اندر سے بے حیائی ختم کی جاسکتی ہے۔

۳۔اولاد کو اہم معاملات میں شریک کیا جائے۔ان کی رائے پوچھی جائے اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دی جانی چاہیے تاکہ ان کے اندر اعتماد پیدا ہو اور خاندان کا تعلق مضبوط ہو۔

۴۔شادی شدہ اولاد کو گھر آباد کرنے کی تلقین کی جانی چاہیے۔ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ جتنے بھی اختلافات ہوں طلاق کی نوبت نہ آئے۔

۵۔اگر اہلِ خانہ کی جانب سے کوئی غیر اسلامی یا ناپسندیدہ عمل سرزد ہو جائے تو اصلاح کی نیت سے ان سے ناراض بھی ہوا جاسکتا ہے۔

۶۔اپنے اہلِ خانہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنا چاہیے۔

۷۔شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی کو بے حیائی اور فحاشی کے کاموں سے روکے۔جیسا کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی کو قوم کا ساتھ دینے سے منع کیا۔

۸۔ شوہر کو دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کی ضروریاتِ زندگی کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔یہ طرزِ عمل خاندان کی اصلاح میں بہت فائدہ مند رہے گا۔

فصل سوم

خاندان کی عملی زندگی کی اصلاح میں سیرتِ انبیاء سے عصری استفادہ

گزشتہ دو فصول میں اس بات کو زیر بحث لایا گیا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو عبادات اور خانگی امور سے متعلق کیا رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات کو پیش کیا گیا۔ زیر، بحث فصل میں اس چیز کو زیر بحث لایا جائے گا کہ ان آیات کی روشنی میں عصرِ حاضر میں خاندان کی عملی زندگی کی تربیت کیسے کی جائے۔

ا۔ اولاد کے عقیدے کی اصلاح کرنا:

عقیدے کی اصلاح بنیادی باتوں میں سے ہے۔ اور یہ اس قدر اہم ہے کہ انبیاء موت کے وقت بھی اس بات کے لیے فکر مند ہوتے تھے کہ ان کی اولاد بعد میں عقیدے کے بگاڑ کا شکار نہ ہو جائے، جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِيۖ قَالُواْ نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ﴾[1]

"جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے آباواجداد ابرہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) کے معبود کی جو معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔"

یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے لیے فکر کا عالم یہ تھا کہ موت کے وقت بھی ان کو اپنی اولاد کے عقیدے کی فکر تھی کہ کہیں ان کی موت کے بعد اولاد شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ عصرِ حاضر میں اس کی ضرورت اور بھی بڑھ چکی ہے کہ اولاد کے عقیدے کی فکر کی جائے اور انہیں مختلف اسلوب اختیار کرتے ہوئے اللہ کی پہچان کرائی جائے، انہیں ایک اللہ کی ذات سے جوڑا جائے کیونکہ موجودہ دور میں فتنے بڑھ چکے ہیں۔ انسان کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کرنا انتہائی آسان ہو گیا ہے۔ نوجوانوں کا رجحان الحاد کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں والدین کے لیے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے عقیدے کی فکر کریں اور انہیں وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بتائیں، کائنات میں غور و فکر کروائیں۔

۲۔ اہلِ خانہ کو نماز کی تاکید کرنا:

سیرتِ انبیاء علیہم السلام سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو نماز کی تاکید کرتے تھے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے:

---

[1] البقرۃ: 133

عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ))[1]

اس حدیث میں آدمی اور شرک وکفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز کو نماز کہا گیا ہے۔ لیکن عصرِ حاضر میں مسلمان گھرانوں میں نماز پڑھنے کا رجحان نہیں پایا جاتا۔ والدین کی طرف سے اس فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی پائی جاتی ہے۔ والدین کی کوتاہی ان کی اولاد پر بھی اثر انداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولاد بھی نماز کی پابند نہیں ہوتی۔ مجموعی طور پر مسلمان معاشرہ نماز کی ادائیگی سے غافل پایا جاتا ہے اور اس معاملے کو ہلکا بھی لیا جاتا ہے۔ لوگوں کے دلوں سے اس بات کا خوف بھی ختم ہوتا نظر آتا ہے کہ نماز نہ پڑھنے کے نتیجے میں اللہ تعالی کی طرف سے کوئی سخت آزمائش بھی آسکتی ہے یا اللہ کی ناراضگی کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔

لٰہذا اہلِ خانہ کو نماز کی تاکید کرنا انتہائی اہم ہے۔ صرف ان کو تاکید نہ کرنا بلکہ خود بھی نماز کی پابندی کرنی چاہیے کیونکہ عمل سے دوسروں کو راغب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر انسان بذاتِ خود با عمل ہو تو اس کی دعوت میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کرنا:

عصرِ حاضر میں عمومی طور پر لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف تاویلیں کرتے ہیں مثلاً ایک خاتون کے پاس سونا نصاب کو پہنچ جاتا ہے لیکن وہ یہ تاویل کر دیتی ہے کہ یہ پورا سونا میری اپنی ملکیت میں نہیں ہے۔ اسی طرح بینکس میں رکھے گئے پیسوں سے حکومت سال میں ایک بار زکوٰۃ کے پیسے کاٹتی ہے جس سے بچنے کے لیے لوگ وہ پیسے پہلے ہی اپنے اکاؤنٹ سے نکلوا لیتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ))[2]

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور پھر اس نے اس مال سے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو آخرت میں اس کا مال نہایت زہریلے سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کی گردن میں طوق کی طرح پہنا دیا جائے گا اور وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا کہ میں ہی تیرا مال ہوں میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔

---

[1] قشیری، مسلم بن حجاج، **الصحیح**، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة، ج:1، ص:88، ح:82

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، باب {ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله} الآیة {سیطوقون} کقولك: طوقته بطوق، ج:6، ص:38، ح:4565

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنا کتنا سنگین گناہ ہے۔ لہٰذا اپنے اہلِ خانہ کو یہ ترغیب دینی چاہیے کہ وہ مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کو وقت پر کریں اور اس کے لیے تاویلیں کرنے سے بچیں۔

۴۔ آپس میں بدگمانی سے بچانا:

ایک داعی دین کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو آپس میں بدگمان ہونے سے بچائے۔ کیونکہ بدگمانی سے گھر کا ماحول پر سکون نہیں رہتا آپس میں ناراضگیاں بڑھتی ہیں جس سے گھر میں بے برکتی محسوس ہوتی ہے۔ بدگمانی کی بنیاد پر کتنے ہی گھر ایسے ہیں جو ٹوٹ گئے۔ حالانکہ بدگمانی میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ؛ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ))[1]

یہاں بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ یہ جھوٹ پر مبنی بات ہوتی ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی صرف انسان زیادہ سوچنے اور دوسرے شخص سے زیادہ توقعات وابستہ کرنے کی وجہ سے اس سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان تو انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور لوگوں کے درمیان بدگمانیاں پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے سے دور کرنا شیطان کے پسندیدہ کاموں میں سے ہے۔ لہٰذا جس طرح یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے بدگمان ہونے سے بچایا اور انہیں یہی سمجھایا کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اسی طرح ایک داعی دین یا گھر کے سربراہ کو چاہیے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی اہمیت سمجھائے کہ بدگمانی سے بچنا کس قدر ضروری ہے۔

جس طرح ایک انسان اپنے لیے کوئی کام پسند نہیں کرتا اسی طرح وہ دوسرے کے لیے بھی اس کام کو ناپسند کرے۔ حقیقی مومن بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے جو چیز ناپسند کرتا ہے وہ دوسرے کے لیے بھی ناپسند کرتا ہے۔ قرآن مجید میں واقعہ افک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُواْ هَٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾[2]

"جب تم سب نے یہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے بارے میں اچھا گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔"

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگتے ہی مومنوں نے ان سے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اس آیت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے نیک گمان رکھنے کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ مومنوں نے ان سے کیوں نیک گمان نہ کیا بلکہ یہاں بِأَنفُسِهِمْ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا مسلمان آپس میں ایک جان کی طرح ہیں۔ جب

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح** ، کتاب الأدب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، ج:8، ص:19، ح:6064

[2] النور:12

انسان اپنے لیے ایسی کوئی بھی بات برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے بارے میں غلط بات کہے تو پھر وہ دوسروں سے متعلق بھی نیک گمان ہی رکھے۔

۵۔ خواتین کو باحجاب بنانا:

انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ وہ اپنی خواتین کو حجاب کا حکم دیتے تھے۔ اگرچہ ہر دور میں ہی خواتین کا باحجاب رہنا ضروری بات ہے لیکن عصرِ حاضر میں یہ بات اور بھی ضروری ہے کیونکہ یہ فتنوں کا دور ہے جس میں بے حیائی اور فحاشی عام ہوتی جارہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ عصرِ حاضر میں کوایجوکیشن اور خواتین کا جاب کرنا ایک عام سی بات ہے۔ لڑکے لڑکیوں کا اکٹھے پڑھنا اور دوستیاں کرنا، ایک ہی جگہ پر کام کرنا ایک عام سی بات ہوتی جارہی ہے اور اس کو کوئی برائی بھی نہیں سمجھتا لیکن اس کا ایک بہت گہرا اثر معاشرے پر پڑتا جارہا ہے۔ طلاق کا رجحان بڑھتا جارہا ہے جس کی کافی وجوہات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خواتین اپنے پردے کا خیال نہیں رکھتیں اور باہر فتنوں کا شکار ہو جاتی ہیں جس کے نتیجے میں ان کے اپنے شوہر کے ساتھ تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا خواتین کو اس بات کی ترغیب دینا بلکہ انہیں باقاعدہ تاکید کرنی چاہیے کہ وہ باحجاب ہو کر گھروں سے باہر نکلیں اور دورِ جاہلیت کی خواتین کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلنے سے گریز کریں جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾[1]

''اور دورِ جاہلیت طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرتی پھرو۔''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کے اصل رہنے کی جگہ اس کا اپنا گھر ہے لیکن اس سے یہ مراد بھی نہیں لیا جا سکتا کہ عورت بالکل بھی گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن پھر اس کے لیے پردے میں باہر نکلنا ہوگا۔ لیکن اس آیت نے عورت کا فرض واضح کر دیا ہے کہ وہ گھر اور خاندان کی تعمیر کرے۔ اور ایسی سرگرمیاں جو اس کے مقصد میں خلل انداز ہوں اس کے اصل مقصدِ زندگی کے خلاف ہیں اور اس سے معاشرے کا توازن بھی بگڑتا ہے۔[2]

یعنی خواتین کا گھر سے باہر جانا حرام نہیں ہے لیکن باہر جاتے ہوئے انہیں پردے کا اہتمام کرنا ہوگا۔ اپنے بناؤ سنگھار کے اظہار سے بچنا ہوگا تاکہ وہ فتنوں کا شکار نہ ہوں۔ اس میں سب سے اہم کردار گھر کے سربراہ کا ہے کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کو حجاب کی تاکید کرے۔ اگر مرد ہی اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کے گھر کی خواتین باہر جاتے ہوئے کس طرح کے لباس میں جارہی ہیں تو اس سے بے حیائی اور بے پردگی مزید پھیلے گی۔

---

[1] الاحزاب:33

[2] تقی عثمانی، مفتی محمد، **آسان ترجمہ قرآن**، ص:1294

گھر سے باہر جاتے ہوئے خواتین کو حجاب کی تاکید کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم بات جس پر توجہ دینی چاہیے وہ یہ کہ شادی بیاہ کے موقع پر بھی خواتین کو اپنے پردے کا خیال رکھنے کی تاکید کرنی چاہیے۔ عام طور پر خواتین پردے کا خیال رکھ بھی لیتی ہیں لیکن شادی بیاہ کے موقع پر خصوصاً دلہن کو حجاب نہیں کرنے دیا جاتا جبکہ وہ سب سے اہم دن ہوتا ہے جس میں سب سے زیادہ بناؤ سنگھار ہوتا ہے اور اسی دن سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ عورت باحجاب رہے تاکہ کوئی نامحرم اسے نہ دیکھ سکے۔ لہٰذا گھر کے سربراہ کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کو اس معاملے میں رہنمائی بھی دیں اور اگر کوئی لڑکی خود باحجاب رہنا چاہتی ہے تو اس کو بھی سپورٹ کرنا چاہیے۔

٦۔ اولاد کو بااعتماد بنانا:

انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرت سے یہ بات بھی سیکھنے کو ملتی ہے کہ اپنی اولاد کو بااعتماد بنایا جائے۔ ان سے رائے لی جائے اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دی جانی چاہیے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا لیکن ابراہیم علیہ السلام نے پھر بھی ایک بار اپنے بیٹے کی رائے پوچھی۔ اس سے اولاد میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی کام کو پھر صرف سرسری نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ گہرائی سے چیزوں کو جانچتے ہیں۔ ان میں صحیح اور غلط کی پہچان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر اولاد کو اہم معاملات سے دور رکھا جائے، یا ان کی رائے نہ پوچھی جائے، یا رائے تو پوچھ لی جائے لیکن اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے اس سے اولاد کا اپنے والدین سے تعلق مضبوط نہیں رہتا، ان کے اندر خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔

لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو اہم معاملات میں شریک کریں۔ ان کی رائے پوچھیں اور اگر اولاد غلطی پر ہو تو احسن طریقے سے ان کی اصلاح کریں۔ ان سے سختی نہ کی جائے کیونکہ سختی کرنے سے اور ڈانٹنے سے اولاد اپنے والدین سے دور ہو جاتی ہے۔

۷۔ شادی شدہ اولاد کو طلاق سے بچانا:

انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اولاد کا گھر آباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور انہیں طلاق سے بچاتے تھے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس بات سے روکا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنھا کو طلاق دیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اس بات سے منع کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیں (دونوں واقعات کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے)۔ عصرِ حاضر میں طلاق کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ والدین ہی اپنی اولاد کی طلاق کا سبب بن جاتے ہیں۔ کبھی لڑکے کے والدین اپنے بیٹے کو اس بات پر مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کبھی لڑکی کے والدین اپنی بیٹی کو صبر اور برداشت سے

کام لینے کی تلقین نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ طلاق کی سورت میں نکلتا ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ انبیاء کی سنت پر چلیں اور اپنی اولاد کو طلاق کی صورت سے بچائیں۔

۸۔ اہلِ خانہ سے ناراض ہونا:

اہلِ خانہ کی عملی زندگی سنوارنے کے لیے انبیاء کا طریقہ یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر گھر کے کسی فرد سے کوئی ناپسندیدہ فعل سرزد ہو جاتا تو وہ اصلاح کی غرض سے ان سے ناراض بھی ہوتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ اپنی ازواج سے ناراض ہوئے۔ موجودہ دور میں اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر دنیاوی اعتبار سے گھر کا کوئی فرد اپنا نقصان کر دے تو دیگر اہلِ خانہ اس کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش بھی کریں گے اور بعض اوقات ناراضگی کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن اگر دینی اعتبار سے کوئی کوتاہی کرتا ہے تو اس پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی مثلاً بچہ اگر پیپر میں فیل ہو جائے یا کم نمبر آ جائیں تو والدین اس کو خوب ڈانٹتے ہیں ناراض بھی ہو جاتے ہیں لیکن اگر بچہ نماز نہ پڑھے تو اس کی اتنی فکر نہیں ہوتی، اور نہ ہی ناراضگی کا کوئی اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صبح سکول کے لیے تو بچے کو ہر ممکن کوشش کر کے اٹھاتے ہیں اور اگر نہ اٹھے تو ڈانٹتے ہیں لیکن فجر کی نماز کے لیے کوئی سختی نہیں کی جاتی اگر بچہ نہ بھی اٹھے تو اسے کسی بھی قسم کی کوئی نصیحت نہیں کی جاتی اور نہ ہی ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اہلِ خانہ کی عملی زندگی سنوارنے کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ کوئی ناپسندیدہ کام کرتے ہیں تو اس پر ناراضگی کا اظہار کیا جائے اور ان کو بھلے طریقے سے سمجھایا بھی جائے۔

خلاصہ:

زیرِ بحث فصل میں یہ دیکھا گیا کہ خاندان کی عملی زندگی سنوارنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی کیا تعلیمات تھیں۔ ان تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اہلِ خانہ خصوصاً اپنی اولاد کے عقیدے کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ جس طرح انسان اپنی اولاد کو دنیاوی اعتبار سے ترقی کرتا دیکھنا چاہتا ہے اسی طرح انسان کو اولاد کی دینی اعتبار سے بھی فکر کرنی چاہیے۔

۲۔ اہلِ خانہ کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق تاکید کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت سے ثابت ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں بھی ہمیں اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی تاکید کرنی چاہیے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ادا کریں اور اس کی ادائیگی سے بچنے کے لیے تاویلیں کرنے سے بچیں۔

۳۔ اہلِ خانہ کو آپس میں بدگمان ہونے سے بچانا چاہیے کیونکہ بدگمانی سے گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ آپس میں نا اتفاقی بڑھ جاتی ہے اور گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔

۴۔اپنے گھر کی خواتین کو حجاب کا پابند بنانا چاہیے۔انہیں اس بات کی تاکید کرنی چاہیے کہ خواہ وہ کسی ضروری کام سے باہر جارہی ہوں، کسی شادی پر جارہی ہوں یا کسی کی فوتگی پر جانا ہو، ہر موقع پر اپنے حجاب کا خیال رکھے اور بے پردگی سے بچے۔

۵۔اپنی اولاد کو اہم معاملات میں شریک کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے ثابت ہے۔اس سے اولاد کو اعتماد ملتا ہے اور ان کے اندر معاملات کو پرکھنے کا ہنر پیدا ہوتا ہے۔

٦۔شادی شدہ اولاد کو طلاق سے بچانا چاہیے۔ان کی تربیت میں یہ بات شامل ہونی چاہیے کہ وہ رشتوں کی قدر کو پہچانیں اور ان کو جوڑ کر رکھنے کی اہمیت کا اندازہ بھی رکھتے ہوں۔

۷۔اصلاح کی غرض سے اہلِ خانہ سے ناراض بھی ہوا جاسکتا ہے۔

خلاصہ بحث:

اس مقالہ میں ان انبیاء کا تعارف پیش کیا گیا ہے جن کا خاندان کی تربیت واصلاح کے حوالے سے قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے۔ان انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور محمد ﷺ شامل ہیں۔دورِ حاضر میں گھروں کا ماحول قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم انبیاء کی تعلیمات کی پیروی کریں اور کسی بھی شخصیت کی اتباع کرنا اس وقت مزید آسان ہو جاتا ہے جب ہمیں اس کا تعارف معلوم ہو۔

قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں خاندان کی اصلاح وتربیت کے حوالے سے انبیائے کرام علیہم السلام کا جو اسلوب واضح ہوتا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا۔ خاندان کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے خود علم حاصل کرے اور اس میں پختگی اختیار کرے۔اس کو اپنے علم میں کسی بھی قسم کا شک وشبہ نہ رہے۔جب انسان اپنے علم میں پختہ ہو گا تو وہ مکمل اعتماد کے ساتھ اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکے گا۔

۲۔ علم کے حصول کے بعد انسان کو سب سے پہلے خود باعمل بننا چاہیے۔جب ایک داعی دین اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو گا تو اس کے ارد گرد کے لوگ بھی اس سے متاثر ہوں گے اور راہِ راست پر آنے کی خواہش کریں گے۔

۳۔اہل وعیال کی اصلاح میں جب والدین کے ساتھ یا دیگر بڑوں کے ساتھ بات کرنے کا موقع آئے تو انتہائی ادب و احترام کا رویہ رکھا جائے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیا جائے۔

۴۔ تربیت و اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسان دل میں ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہوئے بات کرے۔ دل سے دوسرے انسان کے لیے فکر مندی کا اظہار کرے۔

۵۔جب ایک داعی دین اپنے گھر میں کسی کے اندر کوئی برائی دیکھے یا اس کو کسی غلط کام میں ملوث پائے تو اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ داعی دین اس کو برا بھلا نہ کہے بلکہ اس کام کی برائی اس کے سامنے پیش کرے تاکہ انسان کے اندر خود یہ احساس پیدا ہو کہ وہ غلط کام کر رہا ہے اور اسے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔

۶۔اپنے اہل وعیال کو راہِ راست پر لانے کے لیے اور اس راستے پر ان کی استقامت کے لیے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ انسان ان کے لیے دعا کرے کیونکہ دلوں کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔وہ جب چاہے کسی کو بھی راہِ راست کی ہدایت دے سکتا ہے لہٰذا اپنی کوشش جاری رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا بھی کرتے رہنا چاہیے۔ یہی انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ تھا۔

۷۔انبیاء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جب اللہ تعالیٰ سے اولاد کے حصول کی دعا کرتے تھے تو صرف اولاد نہیں مانگتے تھے بلکہ نیک اور صالح اولاد کی دعا کرتے تھے۔لہٰذاانسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کے حصول کی دعا کرے۔

۸۔والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے ساتھ نیکی کے کاموں میں شریک کرے۔جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں شریک کیا۔اس سے اولاد کے اندر نیکی کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۹۔والدین اپنی اولاد کی صرف دنیاوی ترقی کی فکر نہ کریں بلکہ ان کے دین کی بھی فکر کریں۔اس بات کی بھی فکر کریں کہ ان کی اولاد کے عقائد درست ہوں اور وہ اللہ کے فرمانبردار رہوں۔

۱۰۔اہل و عیال کی اصلاح میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آیا جائے۔سختی کا معاملہ نہ کیا جائے۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی فکری اصلاح بھی کی۔خاندان کی فکری اصلاح سے متعلق انبیائے کرام علیہم السلام کی جو تعلیمات تھیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی تعلیم دی کہ وہ مرتے دم تک توحید پر قائم رہیں۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

۲۔انبیاء نے اپنے خاندان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا سکھایا۔انہیں اس بات کی تعلیم دی کہ وہ اسباب بھی اختیار کریں لیکن بھروسہ اسباب پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرنا ہے۔

۳۔توکل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو مایوسی سے بچنے کی بھی تلقین کی۔اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے کبھی بھی کوئی شخص مایوس نہیں ہو سکتا۔

انسان کی فکری اصلاح انتہائی ضروری ہے کیونکہ فکر و عقیدہ کے انسان کی زندگی پر بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔انفرادی اثرات کے ساتھ ساتھ اجتماعی اثرات بھی ہوتے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔فکری اصلاح سے انسان کے اندر مقصدِ زندگی کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

۲۔انسان کی انفرادی ذات پر یہ اثر پڑتا ہے کہ اس کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہر کام ایمانداری سے کرنے لگتا ہے۔

۳۔وہ فرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے اور اس میں کوتاہی سے بچتا ہے۔

۴۔فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ حرام کاموں سے بھی اجتناب کرنے لگتا ہے۔کیونکہ جتنا نیک کام کرنا ضروری ہے اتنا ہی گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔

۵۔ وہ وقت کے ضیاع سے بھی بچتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ آجاتا ہے اور اس کے دل میں وقت کی قدر ہوتی ہے۔

۶۔ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بندوں سے کسی چیز کی امید نہیں رکھتا۔

۷۔ اس کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے۔ دنیا کے خوف سے وہ آزاد ہو جاتا ہے اور اسی لیے وہ ہر نیک کام آسانی سے کر لیتا ہے۔

۸۔ وہ دوسروں کی خامیوں پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اپنی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔

۹۔ اسے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی انسان اسے فائدہ یا نقصان دینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۱۰۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی محتاط ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ وہ دوسروں کے لیے بھی فکر مند ہوتا ہے۔ جب خود گناہوں سے بچتا ہے تو دوسروں کو بھی گناہ کے کاموں سے روکتا ہے۔

۱۲۔ فکری اصلاح سے معاشرتی ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اہل و عیال کو فکری اصلاح کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیمات بھی دیں۔ فکری اصلاح سے ہی انسان کی اخلاقی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اخلاقی اصلاح سے متعلق انبیاؑ کی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اخلاقی اصلاح میں انبیاء نے اپنے اہل خانہ کو بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا رویہ رکھنے کی تعلیم دی۔

۲۔ اولاد کو اپنے ساتھ نیک کاموں میں شامل کرنا ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت میں نہایت اہم ہے جو انبیاء کی سیرت سے ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ اہل خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۴۔ انبیاء کی سنت سے یہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے کہ اہلِ خانہ کو آپس میں بدگمان ہونے سے اور حسد کرنے سے بچانا چاہیے۔ اولاد کی اخلاقی تربیت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کی رائے کو اہمیت دی جائے۔ انہیں مشورہ میں شامل کیا جائے۔

۵۔ بیوی کے لیے یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ شوہر کی نافرمانی سے خانگی زندگی پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۶۔ انبیاء کی سیرت سے یہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فرمانبردار بناتے تھے۔ اولاد ان کی بھی بات مانتی تھی اور وہ اللہ کے بھی فرمانبردار ہوتے تھے۔

۷۔ سیرتِ انبیاء سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ گھریلو معاملات میں درگزر سے کام لیتے تھے اور اہل خانہ کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے۔

فکری و اخلاقی اصلاح کے بعد اس مقالہ میں یہ بات بھی زیر بحث لائی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اہل و عیال کو عبادات سے متعلق کون سی تعلیمات دی تھیں۔ اگرچہ تمام انبیاء ہی اپنے اہل و عیال کی عبادات سے متعلق رہنمائی فرماتے تھے لیکن قرآن مجید میں اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ موجود ہے۔ اسماعیل علیہ السلام بھی اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے اور محمد ﷺ نے بھی اپنے اہل و عیال کو اس بات کی تاکید کی۔

فکر و عقائد اور عبادات کی اصلاح کے بعد خانگی امور کی اصلاح سے متعلق قرآنی آیات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے جو نکات سامنے آئے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اہلِ خانہ کو آپس میں بدگمان ہونے سے بچایا جائے۔ جو بھی مسئلہ درپیش ہو اس کو سلجھانے کی کوشش کی جائے اور معاملہ کو صلح صفائی کی طرف لے جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ شیطان ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے جذبات کو بڑھا رہا ہے۔

۲۔ گھر کی خواتین کو باحجاب بنایا جائے۔ گھر کے اندر رہتے ہوئے شریعت نے عورت کو جتنا باحجاب رہنے کا حکم دیا ہے اس حکم پر عمل کرنے سے گھروں کے اندر سے بے حیائی ختم کی جا سکتی ہے۔

۳۔ اولاد کو اہم معاملات میں شریک کیا جائے۔ ان کی رائے پوچھی جائے اور ان کی رائے کو اہمیت بھی دی جانی چاہیے تاکہ ان کے اندر اعتماد پیدا ہو اور خاندان کا تعلق مضبوط ہو۔

۴۔ شادی شدہ اولاد کو گھر آباد کرنے کی تلقین کی جانی چاہیے۔ ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ جتنے بھی اختلافات ہوں طلاق کی نوبت نہ آئے۔

۵۔ اگر اہلِ خانہ کی جانب سے کوئی غیر اسلامی یا ناپسندیدہ عمل سرزد ہو جائے تو اصلاح کی نیت سے ان سے ناراض بھی ہوا جا سکتا ہے۔

۶۔ اپنے اہلِ خانہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔ کوئی حلال چیز اپنے اوپر حرام نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنا چاہیے۔

۷۔ شوہر کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بے حیائی اور فحاشی کے کاموں سے روکے۔ جیسا کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی کو قوم کا ساتھ دینے سے منع کیا۔

۸۔ شوہر کو دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے اہلِ خانہ کی ضروریاتِ زندگی کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ یہ طرزِ عمل خاندان کی اصلاح میں بہت فائدہ مند رہے گا۔

خاندان کی عملی زندگی سنوارنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی کیا تعلیمات تھیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ان تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اہلِ خانہ خصوصاً اپنی اولاد کے عقیدے کی اصلاح کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ جس طرح انسان اپنی اولاد کو دنیاوی اعتبار سے ترقی کرتا دیکھنا چاہتا ہے بالکل اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ اولاد کی دینی اعتبار سے بھی فکر کرے۔

۲۔ اہلِ خانہ کو نماز اور زکوۃ کی ادائیگی سے متعلق تاکید کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت سے ثابت ہے کہ وہ اپنے خاندان کو نماز اور زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے تھے۔ ان کے لیے فکر مند ہوتے تھے۔ لہٰذا عصرِ حاضر میں بھی ہمیں اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی تاکید کرنی چاہیے کہ وہ نماز اور زکوۃ ادا کریں اور اس کی ادائیگی سے بچنے کے لیے تاویلیں کرنے سے بچیں۔

۳۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ خانہ کو آپس میں بدگمان ہونے سے بچانا چاہیے کیونکہ بدگمانی سے گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ آپس میں نااتفاقی بڑھ جاتی ہے اور گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔

۴۔ اپنے گھر کی خواتین کو حجاب کا پابند بنانا چاہیے۔ انہیں اس بات کی تاکید کرنی چاہیے کہ خواہ وہ کسی ضروری کام سے باہر جا رہی ہوں، کسی شادی پر جا رہی ہوں یا کسی کی فوتگی پر جانا ہو، ہر موقع پر اپنے حجاب کا خیال رکھے اور بے پردگی سے بچے۔

۵۔ اپنی اولاد کو اہم معاملات میں شریک کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے ثابت ہے۔ اس سے اولاد کو اعتماد ملتا ہے اور ان کے اندر معاملات کو پرکھنے کا ہنر پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ شادی شدہ اولاد کو طلاق سے بچانا چاہیے۔ ان کی تربیت میں یہ بات شامل ہونی چاہیے کہ وہ رشتوں کی قدر کو پہچانیں اور ان کو جوڑ کر رکھنے کی اہمیت کا اندازہ بھی رکھتے ہوں۔

۷۔ اصلاح کی غرض سے اہلِ خانہ سے ناراض بھی ہوا جا سکتا ہے۔

نتائجِ بحث:

قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے خاندان کی فکری اصلاح پر بھی توجہ دی اور ان کی عملی زندگی سنوارنے پر بھی خوب محنت کی۔اس تحقیق سے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1. خاندان کی اصلاح کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت کی پیروی کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ ایسی ہستیاں تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف امتوں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سرانجام دیا۔ لہٰذا خاندان کی اصلاح کے لیے انبیاء کے طرزِ عمل کی پیروی سب سے بہترین طریقہ ہے۔
2. اصلاحِ خاندان کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان ان کے لیے دل سے فکر مند ہو اور ان کے لیے دعا بھی کرے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل وعیال کے لیے دعا فرمائی۔
3. خاندان کی اصلاح کے لیے سب سے پہلے انسان کا خود علم حاصل کرنا ضروری ہے تا کہ وہ مخاطب شخص کو اپنی بات کا قائل کر سکے اور علم کے حصول کے بعد اس علم پر عمل کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے پاس ایسا علم موجود ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔
4. اہلِ خانہ میں جو بزرگ افراد ہوں اگر ان کی اصلاح کی ضرورت ہو تو ان کے ساتھ انتہائی ادب و احترام اور عزت سے پیش آنا چاہیے جیسا کہ ابراہیم و یوسف علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو یاابت کہہ کر مخاطب کیا۔
5. اولاد کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ ان کو نیک کاموں میں اپنے ساتھ شریک کیا جائے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر میں شامل کیا۔
6. انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے یہ بات بھی سیکھنے کو ملتی ہے کہ اولاد کے عقیدے کی اصلاح کے لیے فکر مند ہونا چاہیے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو موت کے وقت بھی عقیدے کی درستگی کی تعلیم دی۔
7. انبیاء علیہم السلام نے اپنے اہلِ خانہ کو اللہ تعالیٰ پر حقیقی توکل کرنا سکھایا اور انہیں مایوسی سے بچنے کی بھی تلقین فرمائی جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔
8. فکری اصلاح سے انسان کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ آتا ہے۔ وہ ایک بامقصد زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔
9. فکری تربیت سے انسان کے بہت سے معاملات درست ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کرتا ہے اور حرام کاموں سے بچتا ہے۔

10. انسان کی فکری اصلاح کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔اس کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔

11. عبادات کی اصلاح کے سلسلے میں جو تعلیمات زیرِ بحث آئیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افرادِ خاندان کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ابھارنا چاہیے جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ خود بھی نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی کرتے تھے اور اہلِ خانہ کو بھی تلقین کرتے تھے۔

12. سیرتِ انبیاء کی روشنی میں خاندان کی اخلاقی اصلاح وتربیت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ:

- گھر میں بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ رکھا جائے جیسا کہ یوسف علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے ساتھ عاجزانہ رویہ رکھا۔
- اہل خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے غلہ دینے کے موقع پر اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا۔
- آپس میں بدگمانیوں اور حسد سے اپنے اہل وعیال کو بچایا جائے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو تعلیم دی کہ شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔
- کسی بھی اہم معاملے میں اولاد سے رائے لینا اور ان کی رائے کو اہمیت دینی چاہیے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے ذبح کے موقع پر ان سے رائے پوچھی۔
- بیوی کے لیے یہ بات اہم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ نوح ولوط علیہما السلام کی بیویاں اپنے شوہروں کی نافرمانی کر کے کافروں کے ساتھ شامل ہو گئیں تو اس رویہ سے بچنا چاہیے۔
- اولاد کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بھی فرمانبردار ہو اور والدین کی بھی اطاعت کرے جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام نے ذبح کے موقع پر فرمانبرادری کا مظاہرہ کیا۔
- گھر کے کسی فرد سے غلطی ہو جائے تو اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو درگزر کیا۔

13. خانگی امور سے متعلق اہلِ خانہ کی اصلاح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ:

- گھر کی خواتین کو لباس سے متعلق رہنمائی دی جائے کہ ان کا لباس باحیا ہو اور ایسا لباس نہ ہو کہ جس سے بے پردگی ہوتی ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کو اس بات کی تعلیم دیں۔

- گھروں کی آبادکاری کے لیے اولاد کو نکاح کی اہمیت کے ساتھ ساتھ طلاق کے نقصانات سے بھی آگاہی دینی چاہیے تاکہ وہ ایک کامیاب ازدواجی زندگی بسر کرسکیں جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس بات سے منع فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیں۔
- اہلِ خانہ کے کسی فرد سے کوئی ناپسندیدہ یا خلافِ شریعت کوئی کام سرزد ہو جائے تو اصلاح کی نیت سے اس سے ناراضگی کا اظہار بھی کرسکتے ہیں جیساکہ رسول اللہ ﷺ نے نان نفقہ کے مطالبے پر اپنی ازواج سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

سفارشات:

1. سیرتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں خاندان کی اصلاح وتربیت پر تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے۔
2. سیرتِ صحابیات رضی اللہ عنہم کی روشنی میں اصلاحِ خاندان سے متعلق کام کیا جاسکتا ہے۔
3. قرآن مجید میں مذکور صالحین سے متعلق آیات کی روشنی میں بھی خاندان کی اصلاح وتربیت پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔
4. گھروں میں دینی ماحول برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اہلِ خانہ کو وقت دیا جائے اور انہیں دینی تعلیمات سے آگاہی دی جائے۔
5. سیر و تفریح کے دوران بھی کوشش کی جائے کہ اہلِ خانہ کو دینی تعلیمات سے متعلق رہنمائی دی جائے جیسا کہ سفر پر جاتے ہوئے نماز سے متعلق تعلیمات ان تک پہنچادی جائیں۔

فہرست قرآنی آیات

آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
وَإِذِ ٱبۡتَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٖ فَأَتَمَّهُنَّ----	البقرة	۱۲۴	۲۳
وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبۡرَٰهِـۧمَ مُصَلّٗى----	البقرة	۱۲۵	۲۳
وَإِذۡ يَرۡفَعُ إِبۡرَٰهِـۧمُ ٱلۡقَوَاعِدَ مِنَ ٱلۡبَيۡتِ----	البقرة	۱۲۷	۳۱،۹۷
وَمَن يَرۡغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبۡرَٰهِـۧمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفۡسَهُۥ----	البقرة	۱۳۰	۲۴
وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبۡرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعۡقُوبُ يَٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰ لَكُمُ ----	البقرة	۱۳۲	۶۷،۷۵
إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِيۖ ----	البقرة	۱۳۳	۶۷،۱۲۲
قَالَ رَبِّ هَبۡ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةٗ طَيِّبَةً	آل عمران	۳۸	۶۵
مَا كَانَ إِبۡرَٰهِيمُ يَهُودِيّٗا وَلَا نَصۡرَانِيّٗا ----	آل عمران	۶۷	۲۵
إِن يَنصُرۡكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡۖ	آل عمران	۱۶۰	۸۲
ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدۡ جَمَعُواْ لَكُمۡ ----	آل عمران	۱۷۳	۹۰
وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبۡرَٰهِيمَ خَلِيلٗا	النساء	۱۲۵	۲۵
وَرُسُلٗا قَدۡ قَصَصۡنَٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِن قَبۡلُ وَرُسُلٗا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ	النساء	۱۶۴	۲
وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكۡلِيمٗا	النساء	۱۶۴	۴۶
وَإِسۡمَٰعِيلَ وَٱلۡيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطٗاۚ وَكُلّٗا فَضَّلۡنَا عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ	الانعام	۸۶	۳۱
وَلِكُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولٞۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمۡ قُضِيَ بَيۡنَهُم ----	یونس	۴۷	۱۴
وَنَادَىٰ نُوحٌ ٱبۡنَهُۥ وَكَانَ فِي مَعۡزِلٖ ----	ھود	۴۲	۶۸
قَالَ سَـَٔاوِيٓ إِلَىٰ جَبَلٖ يَعۡصِمُنِي مِنَ ٱلۡمَآءِۚ----	ھود	۴۳	۶۸
وَٱمۡرَأَتُهُۥ قَآئِمَةٞ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنَٰهَا ----	ھود	۷۱	۲۹،۳۸
نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ ٱلۡقَصَصِ ----	یوسف	۳	۴۱
قَالَ يَٰبُنَيَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡيَاكَ عَلَىٰٓ إِخۡوَتِكَ----	یوسف	۵	۱۰۰
قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ أَنفُسُكُمۡ أَمۡرٗاۖ----	یوسف	۱۸	۱۰۴
وَقَالَ ٱلۡمَلِكُ ٱئۡتُونِي بِهِۦٓ أَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۖ----	یوسف	۵۴	۴۳

قَالَ ٱجۡعَلۡنِي عَلَىٰ خَزَآئِنِ ٱلۡأَرۡضِۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ	یوسف	۵۵	۴۳
وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمۡ قَالَ ٱئۡتُونِي بِأَخٖ لَّكُم مِّنۡ أَبِيكُمۡۚ ـــــ	یوسف	۵۹	۹۸
وَمَآ أُغۡنِي عَنكُم مِّنَ ٱللَّهِ مِن شَيۡءٍۖ ـــــ	یوسف	۶۷	۸۰
وَلَا تَاْيۡـَٔسُواْ مِن رَّوۡحِ ٱللَّهِۖ ـــــ	یوسف	۸۷	۸۲
قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُم مَّا فَعَلۡتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذۡ أَنتُمۡ جَٰهِلُونَ	یوسف	۸۹	۹۹
قَالَ لَا تَثۡرِيبَ عَلَيۡكُمُ ٱلۡيَوۡمَۖ يَغۡفِرُ ٱللَّهُ لَكُمۡۖ وَهُوَ أَرۡحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ	یوسف	۹۲	۱۰۶
قَالُواْ يَٰٓأَبَانَا ٱسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَآ إِنَّا كُنَّا خَٰطِـِٔينَ	یوسف	۹۷	۹۹
وَقَدۡ أَحۡسَنَ بِيٓ إِذۡ أَخۡرَجَنِي مِنَ ٱلسِّجۡنِ ـــــ	یوسف	۱۰۰	۱۰۱
وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَٰهِيمُ رَبِّ ٱجۡعَلۡ هَٰذَا ٱلۡبَلَدَ ءَامِنٗا ـــــ	ابراہیم	۳۵	۶۳
رَّبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ ـــــ	ابراہیم	۳۷	۳۴
رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ	ابراہیم	۴۰	۶۴
وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِي كُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولًا أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجۡتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَ	النحل	۳۶	۱۱۱
إِنَّ إِبۡرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِّلَّهِ حَنِيفاً ـــــ	النحل	۱۲۰_۱۲۲	۲۵،۲۶
إِنَّهُۥ كَانَ عَبۡدٗا شَكُورٗا	الاسراء	۳	۱۶
قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ ٱلۡعَظۡمُ مِنِّي ـــــ	مریم	۴	۸۳
وَٱجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيّٗا	مریم	۶	۶۶
إِذۡ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ ـــــ	مریم	۴۲	۹۶
يَٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدۡ جَآءَنِي مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَأۡتِكَ ـــــ	مریم	۴۳	۵۸
يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٞ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ ـــــ	مریم	۴۵	۶۱
وَٱذۡكُرۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ إِسۡمَٰعِيلَۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُولٗا نَّبِيّٗا	مریم	۵۴	۳۲
وَكَانَ يَأۡمُرُ أَهۡلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِۦ مَرۡضِيّٗا	مریم	۵۵	۱۱۱
إِذۡ رَءَا نَارٗا فَقَالَ لِأَهۡلِهِ ٱمۡكُثُوٓاْ ـــــ	طہ	۱۰	۱۲۰
وَٱجۡعَل لِّي وَزِيرٗا مِّنۡ أَهۡلِي هَٰرُونَ أَخِي ـــــ	طہ	۲۹_۳۴	۶۳
وَأۡمُرۡ أَهۡلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا	طہ	۱۳۲	۶۰،۱۱۳

قُلۡنَا يَٰنَارُ كُونِي بَرۡدٗا وَسَلَٰمًا عَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ	الانبیاء	۶۹	۲۵
وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِدۡرِيسَ وَذَا ٱلۡكِفۡلِۖ كُلّٞ مِّنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ــــــ	الانبیاء	۸۵ـ۸۶	۳۳
وَٱلَّذِينَ هُمۡ عَنِ ٱللَّغۡوِ مُعۡرِضُونَ	المؤمنون	۳	۸۹
ثُمَّ أَنشَأۡنَا مِنۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا ءَاخَرِينَ	المؤمنون	۳۱	۱۶
أَفَحَسِبۡتُمۡ أَنَّمَا خَلَقۡنَٰكُمۡ عَبَثٗا وَأَنَّكُمۡ إِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُونَ	المؤمنون	۱۱۵	۸۵
لَّوۡلَآ إِذۡ سَمِعۡتُمُوهُ ظَنَّ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتُ ــــــ	النور	۱۲	۱۲۴
وَلَا يَأۡتَلِ أُوْلُواْ ٱلۡفَضۡلِ مِنكُمۡ وَٱلسَّعَةِــــــ	النور	۲۲	۹۳
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ	الشعراء	۲۱۴	۲
فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى ٱلۡأَجَلَ وَسَارَ بِأَهۡلِهِۦٓ ــــــ	القصص	۲۹ـ۳۰	۴۸
وَٱبۡتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلۡأٓخِرَةَۖ ــــــ	القصص	۷۷	۸۹
يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدۡنَ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَاــــــ	الاحزاب	۲۸ـ۲۹	۱۱۷
وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ ٱلۡأُولَىٰ	الاحزاب	۳۳	۱۲۵
وَإِذۡ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ ــــــ	الاحزاب	۳۷	۱۱۶
مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٖ مِّن رِّجَالِكُمۡ ــــــ	الاحزاب	۴۰	۵۴
يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ ــــــ	الاحزاب	۵۹	۱۱۵
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوۡاْ مُوسَىٰــــــ	الاحزاب	۶۹	۴۶
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ	الصافات	۷۷	۱۷
وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِۦ لَإِبۡرَٰهِيمَ إِذۡ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلۡبٖ سَلِيمٍ	الصافات	۸۳ـ۸۴	۲۶
قَالَ يَٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلۡمَنَامِ ــــــ	الصافات	۹۹ـ۱۰۲	۳۳،۱۰۲
قُلۡ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ	الزمر	۱۳	۹۱،۱۱۹
وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ	الذاریات	۵۶	۹۲
وَهُوَ مَعَكُمۡ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ	الحدید	۴	۸۷
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفۡعَلُونَ ــــــ	الصف	۲ـ۳	۶۰
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ مِنۡ أَزۡوَٰجِكُمۡ وَأَوۡلَٰدِكُمۡ عَدُوّٗا لَّكُمۡ فَٱحۡذَرُوهُمۡ	التغابن	۱۴	۱۰۶،۱۱۹

يَٰٓأَيُّهَاٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَۖ ۔۔۔۔	التحریم	۱	۱۱۸
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ ۔۔۔۔	التحریم	۶	۶۸،۱۱۲
ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلٗا لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱمۡرَأَتَ نُوحٖ وَٱمۡرَأَتَ لُوطٖۖ۔۔۔۔	التحریم	۱۰	۷۰،۱۰۳
وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا	نوح	۲۶	۱۸
أَيَحۡسَبُ ٱلۡإِنسَٰنُ أَن يُتۡرَكَ سُدًى	القیامہ	۳۶	۸۶

فہرست احادیث

احادیث	کتاب	صفحہ نمبر
إِذَا اسْتَيْقَظَ الرَّجُلُ مِنَ اللَّيْلِ وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ ـــــ	سنن ابن ماجہ	۱۱۳
إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ـــــ	صحیح مسلم	۵۵
أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ ـــــ	صحیح بخاری	۴۹
أُعْطِيَ يُوسُفُ شَطْرَ الْحُسْنِ	مصنف ابن ابی شیبہ	۴۲
أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي ـــــ	صحیح مسلم	۵۵
إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ ـــــ	صحیح مسلم	۵۳
أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وأنا أول من يقرع باب الجنة	صحیح مسلم	۵۴
إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ	صحیح مسلم	۱۲۳
أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الِاثْنَيْنِ ـــــ	صحیح مسلم	۵۲
أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَقَهُ ـــــ	صحیح بخاری	۱۱۲
أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ	صحیح مسلم	۵۵
اِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ	جامع ترمذی	۶۳
إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا ـــــ	صحیح بخاری	۵۴
إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لَا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ	صحیح بخاری	۴۷
إِنَّ مِنْ نِعَمِ اللهِ عَلَيَّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ فِي بَيْتِي ـــــ	صحیح بخاری	۵۶
إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ؛ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ	صحیح بخاری	۱۲۴
ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَالْعَاقُّ، وَالدَّيُّوثُ ـــــ	مسند احمد	۱۲۰
جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ ـــــ	صحیح مسلم	۲۶
رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّتْ ـــــ	سنن ابن ماجہ	۱۱۲
سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ خَمْسَةٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْخَمْسَةِ ـــــ	مستدرک حاکم	۱۷
عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ ـــــ	صحیح مسلم	۸۳
فِي كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ	صحیح بخاری	۵۷

قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكْرَمُ النَّاسِ قَالَ أَكْرَمُهُمْ أَتْقَاهُمْ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۴۲
الْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۴۱
لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۴۷
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ	صحیح بخاری	۹۳
مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۱۲۳
وَلَدُ نُوحٍ ثَلَاثَةٌ سَامُ وَحَامُ وَيَافِثُ أَبُو الرُّومِ	مستدرک حاکم	۲۱
هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۲۷
يَا إِسْمَاعِيلُ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ۔۔۔۔	صحیح بخاری	۹۷
يَا نُوحُ، أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرْضِ۔۔۔۔	صحیح مسلم	۱۶

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ نمبر
1.	الحاد	۸۰
2.	توکل	۷۹
3.	عبادت	۱۰۷
4.	صقالبہ	۲۱
5.	فکر	۷۲
6.	یأس	۸۱

فہرست اعلام

صفحہ نمبر	شخصیت کا نام	نمبر شمار
۱۵	ابوامامہ رضی اللہ عنہ	.1
۵۱	ابو قتادہ رضی اللہ عنہ	.2
۱۰۸	امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ	.3
۱۰۰	امام ابن الجوزی رحمہ اللہ	.4
۱۸	امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ	.5
۸۷	حافظ عبد السلام بھٹوی رحمہ اللہ	.6
۲۱	ابنِ خلدون رحمہ اللہ	.7
۶۱	امام صابونی رحمہ اللہ	.8
۲۲	ابن عساکر رحمہ اللہ	.9
۶۳	امام قشیری رحمہ اللہ	.10
۲	ابن کثیر رحمہ اللہ	.11
۸۶	ثوبان بن بجدد رضی اللہ عنہ	.12
۱۵	امام حاکم رحمہ اللہ	.13
۷۲	امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ	.14
۲۱	سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	.15

۵۸	سید قطب شہید رحمہ اللہ	.16
۱۵	امام طبرانی رحمہ اللہ	.17
۶۵	فضیل بن عیاض رحمہ اللہ	.18
۶۶	مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ	.19
۶۸	مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ	.20
۱۰۲	مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمہ اللہ	.21
۵۲	واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ	.22
۵۹	وھبہ الزحیلی رحمہ اللہ	.23

مصادرومراجع

القرآن الکریم

عربی مصادر:

1. الأصفهانی، أبو القاسم الحسين،المفردات في غريب القرآن،(دار القلم بيروت، الطبعة: الأولى، 1412 هـ)
2. ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس، العبودية (المكتب الإسلامي بيروت، 1426هـ)
3. ابن الجوزی، جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن، زاد المسير في علم التفسير (دار الكتاب العربي بيروت، الطبعة: الأولى1422 هـ)
4. ابنِ خلدون، عبد الرحمان، ديوان المبتدأ والخبر في تاريخ العرب والبربر ومن عاصرهم من ذوي الشأن الأكبر، (دار الفكر، طبع ثانی، 1408 هـ)
5. ابن عساکر، علی بن حسن بن هبة الله، تاریخ مدینة دمشق، (دار الفکر،1415 هـ)
6. ابن کثیر،حافظ عماد الدین، البدایة والنهایة (دار هجر، طبع: الاولی، 1418 هـ)
7. ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسير القرآن العظيم،دار طيبة للنشر والتوزيع، الطبعة: الثانية 1420 هـ
8. ابن کثیر، حافظ عماد الدین، قصص الانبیاء (دار الطباعة و النشر الاسلامیة، الطبعة الخامسة، 1417هـ)
9. ابن ماجة،أبو عبد الله، سنن، (دار الرسالة العالمية، الطبعة الأولى، 1430 هـ)
10. ابن هشام، عبد الملك، السيرة النبوية، (شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة: الثانية، 1375هـ)
11. ابو السعود، محمد بن محمد بن مصطفى،ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، (دار المصحف القاهرة)
12. أبو شيبة، عبد الله بن محمد،مصنف ابن أبي شيبة،مكتبة الرشد، (الرياض،الطبعة: الأولى، 1409هـ)
13. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (الطبعة: السلطانية، بالمطبعة الكبرى الأميرية، ببولاق مصر، 1311 هـ)
14. الترمذي، محمد بن عيسى، السنن، (دار الغرب الإسلامي بيروت)

15. الجريبة، ليلى بنت عبد الرحمن، **كيف تربي ولدك**، (الكتاب منشور على موقع وزارة الأوقاف السعودية بدون بيانات، س ن)

16. حاكم، محمد بن عبد الله نيسابورى، المستدرک على الصحيحين، (دار الكتب العلمية – بيروت ، الطبعة الأولى ، 1411 هـ)

17. حنبل، الإمام أحمد، مسند (مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421 هـ)

18. الذهبي،شمس الدين،تذكرة الحفاظ،(دارالكتب العلمية بيروت لبنان،الطبعة الأولى، 1419هـ)

19. الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله، سير أعلام النبلاء، (دار الحديث، القاهرة، 1427هـ)

20. الزبيدی، محمود مرتضیٰ حسینی، تاج العروس،(دار الفكر، بيروت، 1994 هـ)

21. الزركلي، خير الدين بن محمود، الأعلام(دار العلم للملايين، الطبعة :الخامسة عشر ٢٠٠٢ م)

22. الزحيلي، وهبة بن مصطفى، التفسير المنير في العقيدة والشريعة والمنهج، (دار الفكر المعاصر، دمشق، الطبعة الثانية، 1418 هـ)

23. سيد قطب، فی ظلال القرآن، (دار الشروق، الطبعة الأولى، 1972هـ)

24. الصابوني، محمد علي، صفوة التفاسير، (دار الصابوني للطباعة والنشر والتوزيع، القاهرة، الطبعة: الأولى، 1417 هـ)

25. طبرانی، سلیمان بن احمد، معجم الكبير، (مكتبة ابن تيمية، قاهرة، طبعة الثانی)

26. الطبري، محمد بن جرير، تاريخ الطبري، (دار التراث بيروت، الطبعة الثانية، 1387 هـ)

27. الطبري، محمد بن جرير، جامع البيان عن تأويل آي القرآن، (دار التربية والتراث مكة المكرمة، الطبعة بدون تاريخ نشر)

28. الغزالي، أبو حامد، إحياء علوم الدين، (دار المعرفة – بيروت)

29. القاسمي، محمد جمال الدين، محاسن التأويل، (دار الكتب العلميه بيروت، الطبعة الأولى، 1418 هـ)

30. القشيري، عبد الكريم بن هوازن، لطائف الإشارات، (الهيئة المصرية العامة للكتاب، مصر،الطبعة الثالثة)

31. قشیری،مسلم بن حجاج، الصحيح، (دار احياء الكتب العربية،القاهرة)

32. قطب، محمد على، زوجات الانبياء و امهات المومنين، (الدار الثقافية، الطبعة الاولى، 1425 هـ)

33. القرطبي، محمد بن أحمد الأنصاري، الجامع لأحكام القرآن، (دار الكتب المصرية – القاهرة، الطبعة: الثانية، 1384 هـ)
34. محمد رشيد بن علي رضا، تفسير المنار، (الهيئة المصرية العامة للكتاب، 1990 م)
35. اليسوعی، لويس معلوف، المنجد،(دار الفكر، بيروت، 1931 هـ)

اردو مصادر:

1. اصلاحی، امین احسن، تدبرِ قرآن، (فاران فاؤنڈیشن لاہور، 1430ھ)
2. بھٹوی، حافظ عبد السلام، تفسیر القرآن الکریم، دار الاندلس، س ن
3. تقی عثمانی، مفتی محمد، آسان ترجمہ قرآن، (مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 1432ھ)
4. جعفری، سید حسین، فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید، (پاکستان سٹڈی سنٹر، کراچی، ۱۹۸۸)
5. ڈاکٹر انیس احمد، اسلامی فکر و ثقافت کی قرآنی بنیادیں، (ترجمان القرآن، ۲۰۰۹)
6. ڈاکٹر خالد علوی، خلق عظیم (دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۵)
7. ڈاکٹر فضل الٰہی، والدین کا احتساب، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، س ن
8. شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن، (ادارۃ المعارف کراچی، ۱۴۳۶ھ)
9. قاسمی، مولانا وحید الزماں، القاموس الوحید، (ادارہ اسلامیات، لاہور)
10. قطب، محمد علی، زوجات الانبیاء وامھات المومنین، 1425ھ
11. کیلانی، عبد الرحمان، تیسیر القرآن (مکتبۃ السلام، لاہور، 1432ھ)
12. المسند، محمد بن عبد العزیز، فتاوی اسلامیہ، دار السلام
13. مودودی، ابو الاعلی، تفہیم القرآن، (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۳۶۸ھ)

English Sources:

1. Tubagus Chaeru Nugraha, "Sustainability of family harmony through literacy of Prophet Muhammad Family model", Atlantis press, 216(2018)
2. Taofeek Muhammed Thani, "The teaching methods and techniques of the Prophet (PBUH): An exploratory study", journal of Hadith studies, 6(2021)
3. Al-Hashimi, Muhammad Ali, The ideal Muslim, International Islamic publishing house

Websites:

https://asianindexing.com/
https://shamela.ws/

https://kitabosunnat.com/
https://mohaddis.com/
https://shamela.ws/index.php/author/1318
https://equranlibrary.com/
https://waqfeya.net/
https://www.noor-book.com/